ماہنامہ

پیغامِ صلح

شمارہ - ۱۱، ۱۲ نومبر، دسمبر ۱۹۹۶ء جلد ۸۰

اس شمارے میں

- حکیم الامت حضرت علامہ نورالدین کی عربی تفسیر کے ایک صفحہ کا اردو ترجمہ ۱
- عربی نعتیہ کلام بانی سلسلہ احمدیہ ۲

  —— بانی سلسلہ احمدیہ
- حکیم الامت حضرت علامہ نورالدین اعظم بحیثیت مفسر قرآن ۴
- بے نظیر روحانی انوار کا الٰہی سرچشمہ—۲ ۱۴

  —— شیخ غلام ربانی
- واقعہ صلیب حقائق کی روشنی میں ۱۹

  —— آنسہ سارہ احمد
- اخبار کا تراشہ : ماہنامہ "حکمت قرآن" لاہور ۲۳

ناشر: احمدیہ انجمن اشاعت اسلام (لاہور) یو ایس اے

پتہ : ۱۳۱۵ کنگز گیٹ روڈ، کولمبس، اوہائیو ۱۵۰۴-۴۳۲۲۱ (یو ایس اے)

www.aaiil.org

حکیم الامت حضرت علامہ نورالدین اعظم کی خود نوشت قرآن مجید کی عربی تفسیر کا عکس

سورة الكوثر

مكية - عند ابن عباس وعائشة وابن الزبير رضي الله تعالى عنهم - الدر المنثور

ونسب هذا القول في البحر الى الجمهور - العيني وروح المعاني —

عن انس رضي الله عنه لما عرج بالنبي صلى الله عليه وسلم الى السماء قال

اتيت على نهر حافتاه قباب اللؤلؤ مجوف فقلت ما هذا يا جبرائيل قال

هذا الكوثر - البخاري —

ومدنية عند مجاهد والحسن وقتادة وعكرمة وفي الاتقان انه المختار

ورجحه النووي في شرح المسلم - اخرج احمد ومسلم وابو داود والنسائي والبيهقي

في سننه وابن جرير وابن المنذر وابن مردويه وابن ابي شيبة عن انس بن مالك

اغفى رسول الله صلى الله عليه وسلم اغفاءة فرفع رأسه متبسما فقال انه انزل علي

آنفا سورة فقرأ

بسم الله الرحمن الرحيم انا اعطيناك الكوثر حتى ختمها الحديث

الدر

اما الكوثر - فاخرج البخاري والحاكم وابن جرير عن رسول الله صلى الله عليه وسلم

هل تدرون ما الكوثر قالوا الله ورسوله اعلم قال هو نهر اعطانيه ربي في الجنة

عليه خير كثير ترد عليه امتي يوم القيمة آنيته عدد الكواكب فيختلج

العبد منهم فاقول يا رب انه من امتي فيقال انك لا تدري ما احدث بعدك

سورۃ الکوثر

حکیم الامت حضرت علامہ نورالدین کی خود نوشت عربی تفسیر القرآن کا اردو ترجمہ

ابن عباسؓ عائشہؓ اور ابن زبیرؓ کے نزدیک یہ سورۃ مکی ہے۔ (الدرالمنثور) اور بحر محیط میں اس قول کو جمہور کی طرف منسوب کیا گیا ہے (العینی و روح المعانی)۔

حضرت انس رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ جب آنحضرت صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم کو معراج کے لئے آسمان پر لے جایا گیا تو فرمایا کہ میں ایک دریا پر پہنچا جس کے دونوں جانب بڑے بڑے خولدار قبے بنے ہوئے تھے میں نے پوچھا اے جبرئیلؑ یہ کیا ہے تو جبرئیل نے کہا کہ یہ کوثر ہے۔ (بخاری)

اور مجاہد، محسن، قتادہ اور عکرمہ کے نزدیک یہ سورت مدنی ہے اور اس امر پر سب متفق ہیں کہ یہی درست ہے اور مسلم کی شرح میں نووی نے اس کو راجح قرار دیا ہے۔ احمد، مسلم ابو داؤد، النسائی، بیہقی نے بھی اپنی سنن میں اس سے یہی مراد لیا ہے۔ نیز ابن جریر، ابن منذر اور ابن مردویہ اور ابن ابی شیبہ نے انس بن مالک سے روایت کی ہے کہ حضورؐ نے چند لمحے توقف کیا اور تبسم فرماتے ہوئے آپؐ نے سر مبارک کو اوپر اٹھایا اور فرمایا کہ ابھی ابھی مجھ پر سورہ نازل ہوئی ہے اور پڑھا بسم اللہ الرحمٰن الرحیم
انا اعطیناک الکوثر ۔۔۔، آخر تک

اور کوثر۔ بخاری، حاکم، ابن جریر نے کہا ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کیا تم جانتے ہو کوثر کیا ہے۔ انہوں نے عرض کیا کہ اللہ اور رسولؐ سب سے زیادہ جانتے ہیں۔ فرمایا یہ ایک نہر (دریا ہے) جسے اللہ تعالیٰ نے جنت میں مجھے عطا فرمایا ہے اس میں بہت زیادہ بھلائی ہے۔ میری امت کو ستاروں کی تعداد کے مطابق بھر بھر کے پیالے پیش کئے جائیں گے انسان ان سے کہے گا نہیں، بس۔ میں کہوں گا کہ اے میرے رب یہ میری امت ہے۔ پس فرمایا جائے گا تجھے کیا معلوم کہ انہوں نے تمہارے بعد کیا کیا۔

عربی نعتیہ کلام بانی سلسلہ احمدیہ

حضرت نبی اکرم صلعم کی خدمت میں نذرانہ عقیدت

"میری جان فدا ہو اس کامل چاند پر جو ہاشمی عربی ہے"

۳۰- یَا قَلْبِی اذْکُرْ اَحْمَدَا عَیْنَ الْهُدٰی مُفْنِی الْعِدَا	اے میرے دل ! احمد صلی اللہ علیہ وسلم کو یاد کر جو ہدایت کا سرچشمہ اور دشمنوں کو فنا کرنے والا
۳۱- بَرًّا کَرِیْمًا مُحْسِنًا بَحْرَ الْعَطَایَا وَالْجَدَا	نیک، کریم، محسن، بخششوں اور سخاوت کا سمندر ہے
۳۲- بَدْرٌ مُنِیْرٌ زَاهِرٌ فِی کُلِّ وَصْفٍ حُمِدَا	وہ چودھویں کا نورانی روشن چاند ہے۔ وہ ہر وصف میں تعریف کیا گیا ہے۔
۳۳- اِحْسَانُهٗ یُصْبِی الْقُلُوْبَ وَ حُسْنُهٗ یُرْوِی الصَّدَا	اس کا احسان دلوں کو موہ لیتا ہے اور اس کا حسن پیاس کو بجھا دیتا ہے
۳۴- اَلظَّالِمُوْنَ بِظُلْمِهِمْ قَدْ کَذَّبُوْهُ تَمَرُّدَا	ظالموں نے اپنے ظلم کی وجہ سے اسے سرکشی سے جھٹلایا ہے۔
۳۵- وَالْحَقُّ لَا یَسَعُ الْوَرٰی اِنْکَارَهٗ لَمَّا بَدَا	اور سچائی ایسی شے ہے کہ مخلوق اس کا انکار نہیں کر سکتی جب وہ ظاہر ہو جائے۔
۳۶- اُطْلُبْ نَظِیْرَ کَمَالِهٖ فَسَتَنْدَمَنَّ مُلَدَّدَا	تو اس کے کمال کی نظیر تلاش کر۔ سو تو (اس میں) یقیناً حیران ہو کر شرمندہ ہو گا۔
۳۷- مَا اِنْ رَاَیْنَا مِثْلَهٗ لِلنَّائِمِیْنَ مُسَهِّدَا	ہم نے اس کی مانند سوتوں کو جگانے والا کوئی نہیں دیکھا۔
۳۸- نُوْرٌ مِّنَ اللهِ الَّذِیْ اَحْیَی الْعُلُوْمَ تَجَدُّدَا	وہ اللہ کا نور ہے جس نے علوم کو نئے سرے سے زندہ کر دیا۔
۳۹- اَلْمُصْطَفٰی وَالْمُجْتَبٰی وَالْمُقْتَدَا وَالْمُجْتَدَا	وہ برگزیدہ ہے، چنا ہوا ہے، اس کی پیروی کی جاتی ہے، اس سے فیض طلب کیا جاتا ہے۔

۴۰۔ جُمِعَتْ مَرَابِیْعُ الْھُدٰی
فِیْ وَبْلِہٖ حِیْنَ النَّدٰی

ہدایت کی بارشیں سخاوت کے وقت اس کی موسلا دھار بارش میں جمع کر دی گئیں۔

۴۱۔ نَسِیَ الزَّمَانُ رِھَامَہٗ
مِنْ جَوْدِ ھٰذَا الْمُقْتَدَا

زمانہ اپنی مسلسل تھوڑی بارش کو بھول گیا ہے اس مقتدا کی بارش کے مقابلہ میں۔

۔(کرامات الصادقین، ص ۲۵)

۴۲۔ نَفْسِی الْفِدَاءُ لِبَدْرٍ ھَاشِمِیٍّ عَرَبِیٍّ
وَدَادُہٗ قُرْبُ نَاھِیْکَ عَنْ قُرَبِ

میری جان فدا ہو اس کامل چاند پر جو ہاشمی عربی ہے۔ آپؐ کی محبت قربتوں کا ایسا ذریعہ ہے جو تجھے باقی قربت کے ذرائع سے بے نیاز کر دینے والا ہے۔

۴۳۔ نَجَّا الْوَرٰی. مِنْ کُلِّ زُوْرٍ وَّ مَعْصِیَۃٍ
وَمِنْ فُسُوْقٍ وَّ مِنْ شِرْکٍ وَّ مِنْ تَبَبِ

آپؐ نے مخلوق کو ہر جھوٹ اور گناہ سے نجات دی اور فسق سے، شرک سے، اور ہلاکت سے بھی۔

۴۴۔ فَنَوَّرَتْ مِلَّۃٌ کَانَتْ کَمَعْدُوْمٍ
ضُعْفًا وَّ رُجِمَتْ ذَرَارِی الْجَانِّ بِالشُّھُبِ

پس منور ہو گئی وہ ملت جو معدوم کی طرح تھی ضعف میں۔ اور شیطان کی ذریت شہابوں سے سنگسار کی گئی

۴۵۔ وَزَحْزَحَتْ دُخُنًا غَشّٰی عَلٰی مِلَلٍ
وَ سَاقَطَتْ لُؤْلُوءً ا رَطْباً عَلٰی حَطَبِ

اور اس ملت نے ان تاریکیوں کو دور کر دیا جو قوموں پر چھائی ہوئی تھیں اور سوکھی لکڑیوں پر تروتازہ موتی برسادتے

۴۶۔ وَنَضَّرَتْ شَجَرَ ذِکْرِ اللّٰہِ فِیْ زَمَنٍ
مَحْلٍ یُمِیْتُ قُلُوْبَ النَّاسِ مِنْ لَعِبِ

اور اس ملت نے اللہ کے ذکر کے درخت کو شاداب کر دیا ایسے خشک سالی کے زمانے میں جو دلوں کو کھیل کود سے مردہ کر رہا تھا۔

۴۷۔ فَلَاحَ نُوْرٌ عَلٰی اَرْضٍ مُکَدَّرَۃٍ
حَقًّا وَّ مُزِّقَتِ الْاَشْرَارُ بِالْقُضُبِ

پس یقینی طور پر ایک نور ظاہر ہوا تاریک زمین پر اور پارہ پارہ کر دیئے گئے شریر کاٹنے والی تیز تلواروں سے

۴۸۔ وَ مَا بَقٰی اَثَرٌ مِنْ ظُلْمٍ وَّ بِدْعَاتٍ
بِنُوْرِ مُھْجَۃِ خَیْرِ الْعُجْمِ وَ الْعَرَبِ

اور ظلم اور بدعات کا کوئی نشان باقی نہ رہا عرب و عجم میں سے۔ بہترین شخص کی جان کے نور کی وجہ سے

۴۹۔ وَ کَانَ الْوَرٰی بِصَفَاءِ نِیَّاتٍ
مَعَ رَبِّھِمُ الْعَلِیِّ فِیْ کُلِّ مُنْقَلَبِ

اور مخلوق نیتوں کی صفائی کی وجہ سے اپنی ہر حالت میں اپنے بلند شان والے رب کے ساتھ ہو گئی۔

۔(سر الخلافہ ص ۸۹)

یاد رفتگان

حکیم الامت حضرت علامہ نور الدین اعظم بحیثیت مفسر قرآن

حکیم الامت حضرت علامہ نور الدین وہ عہد آفریں ہستی ہیں جن کے فہم قرآن نے دور حاضر میں قرآنی علوم کے نئے سوتے جگا دئے جس ُنے قرآن کو اپنے اوپر وارد کر لیا تھا۔ جو قرآن کا عاشق تھا، جس نے اپنی ساری زندگی قرآن مجید کے سمجھنے، سمجھانے اور اس کی درس و تدریس میں صرف کر دی۔ قرآن جس کے شب و روز کے فکر و نظر کا موضوع رہا جو معانی قرآن کی سطح ہی پر نہیں گھومتا رہا بلکہ اس کی گہرائیوں میں بھی اترا تھا۔ علوم قرآنیہ کا جتنا مطبوعہ اور غیر مطبوعہ ذخیرہ اس وقت موجود تھا اس کا بہت بڑا حصہ اس کے پاس موجود تھا اور اس کی نظروں سے گزرا تھا۔ اس نے اپنے اثرات علم و فن اور فکر و نظر کا ایسا دور رس اور ہمہ گیر ورثہ پیچھے چھوڑا ہے کہ مدتوں اہل نظر کے لیے سرمہ بصیرت کا کام دے گا۔ وہ عاشق رسولؐ تھا۔ اس کا اعتقاد تھا کہ دنیا کے افراد اور قوموں کی زندگی اور سعادت کے لیے سرچشمہ حیات یہی کتاب ہے اور جس نے زندگی بھر کوشش کی اور اپنی توانائیاں اور دولت اس میں لٹا دی کہ قرآن کے فہم و بصیرت کا دروازہ اس پر اور دوسرے لوگوں پر کھل جاتے۔ اس کی آیات میں اسے محبوب کے دلربا خدوخال نظر آتے تھے، جس کی زندگی اور راحت کا انحصار اس نامہ محبوب پر تھا۔ جسے ہمیشہ نصرت دین میں سابق بالخیرات پایا گیا۔ یہ انسان زمین پر رہتا تھا لیکن اس کا تعلق آسمان سے ایک لمحہ کے لیے بھی نہیں ٹوٹتا تھا اور جو دین مبین کا ایک ثمر نو بہار تھا۔ جس کا نام ان کے نور اخلاص کی طرح نور الدین تھا۔

ان کا ایثار اور ان کے اقوال، ان کا تجربہ اور تبحر علمی آپ اپنی نظیر تھا۔ زمانہ ایسے وجود روز روز پیدا نہیں کرتا۔ آسمان ایسے مزکی وجود آئے دن زمین پر نہیں بھیجتا۔ دنیا ایسے منبع فیوض و علوم سے ہر وقت متمتع نہیں ہوا کرتی۔ نور الدین ایسے ہی نادر وجودوں میں سے تھا۔ قرآن مجید کے معانی میں اسے چشمۂ حیوان کے آب حیات کا ذخیرہ نظر آتا تھا۔ اس کی زندگی قرآن میں تھی۔ وہ سب کا خیر خواہ تھا۔ وہ عمیم الاحسان اور ہر دلعزیز تھا۔ اس کا فیض عام مخلوق خدا تک وسیع تھا۔ بلحاظ علم و فضل مسلمانوں کے لیئے مایہ ناز اور بلحاظ ہمدردی عوام انسانیت کے لیے مایہ افتخار تھا۔ اس کا جود و کرم اور غریب پروری اور احسان سب کے لیے عام تھا۔

اس کی زندگی میں کتنے ہی ایسے مواقع آئے کہ اس کی آزمائش ہوئی اور اس نے صداقت و تقویٰ کو کبھی ہاتھ سے جانے نہیں دیا

عالم بے بدل، امام الائمہ، حافظ قرآن، حاجی الحرمین، محدث، فقیہ، صوفی صافی، الاستاذ، الامام، حکیم الامتہ سیدنا علامہ نور الدین اعظم کے نام نامی سے کون واقف نہیں۔ آپ بین الاقوامی شہرت کے

مالک تھے اور ہزاروں ہزار لوگ آپ کے آب زلال سے سیراب اور آپ کی سخندانی اور سخن پروری سے مستفید ہوتے اور دور دور سے آپ کا درس قرآن سننے کے لیئے آتے تھے۔

آپ کا خانوادہ فاروقی قریشی ہے اور آپ چونتیسویں پشت میں جس میں سے کتنے ہی اولیاء اللہ تھے، حضرت عمر فاروق رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے ملتے ہیں۔ گیارہ پشتوں تک برابر آپ کے آباء حافظ قرآن رہے۔ آپ خود بھی حافظ قرآن تھے آپ کے والد ایک ایک وقت میں ہزاروں ہزار قرآن مجید خرید کر آگے مفت ہدیہ کر دیتے تھے۔ قرآن آپ کی روحانی غذا، سخاوت آپ کا شیوہ، مروت آپ کی فضیلت، علم آپ کی چادر، خدا کی کتاب آپ کی محبوب، اس کا ذکر آپ کے لیے آب حیات اور سادگی پسندیدہ زیور تھا۔ آپ کو خوشامد سے سخت نفرت تھی۔ نہ خود کبھی کسی کی خوشامد کی حالانکہ بڑے بڑے والیان ریاست کے درباروں میں رہے اور نہ دوسروں سے خوشامد سنی اور ایسی لغو باتوں سے ہمیشہ مجتنب رہے۔ آج تک کسی شخص نے آپ کی قرآن فہمی اور قرآن دانی پر انگلی نہیں اٹھائی۔ اپنے علم و فضل، زہد و ورع، اخلاق و خصائل، روشن خیالی، قدیم علوم سے واقفیت، جدید علوم سے آگاہی اور مقتضیات زمانہ کے علم و فہم میں آپ اپنے عہد کی سب سے بہتر مثال تھے۔

قرآن مجید کے بارے میں آپ کی لائبریری دنیا کی منتخب اور چوٹی کی لائبریریوں میں سے تھی۔ ڈاکٹر ولز، وائس چانسلر، پنجاب یونیورسٹی سے سید علامہ شبلی اور دار التابد الترجمہ سے علمی ادارے اور ہزاروں دوسرے افراد اس سے مستفیض ہوتے تھے۔ اس کتاب عزیز کے بارے میں آپ نے جو کچھ لکھا اور کہا دوسروں سے سنی سنائی باتیں نہ تھیں بلکہ ذاتی تحقیق پر مبنی اور بہ دید اور دید شنید کی مصداق تھیں۔ جن لوگوں نے آپ سے قرآن سنا اور سیکھا وہ بتاتے ہیں کہ ہر روز ہی قرآن کے ساتھ آپ کے عشق و محبت اور اس کے بارے میں آپ کے علم و فہم کو زیادہ سے زیادہ ہی پایا۔ ان کی بعض دینی خدمتوں کو جو وہ اپنے مال حلال کے خرچ سے اعلاء کلمہ اسلام کے لیئے کرتے ہے بعض بڑے بڑے لوگوں نے بھی حسرت کی نظر سے دیکھا۔

وہ اپنے تمام مال اور تمام زور اور تمام اسباب مقدرت کے ساتھ جو انہیں میسر تھے ہر وقت اللہ و رسولؐ کی اطاعت کے لیے مستعد کھڑے رہتے۔ آپ علوم فقہ وحدیث و تفسیر میں اعلیٰ درجہ کی معلومات رکھتے تھے۔ فلسفہ و طبعی جدید پر نہایت عمدہ نظر تھی فن طبابت میں حاذق طبیب تھے۔ ہر ایک فن کی کتابیں بلاد مصر و عرب و شام و یورپ سے منگوا کر ایک نادر کتب خانہ تیار کیا تھا اور جیسے اور علوم میں فاضل جلیل تھے مناظرات دینیہ میں بھی نہایت درجہ وسیع نظر رکھتے تھے۔ بہت سی عمدہ کتابوں کے مؤلف تھے۔

جب انہوں نے اسلام کو مجروح دیکھا تو انہوں نے غم کو اپنا شعار بنا لیا اور دکھ کے مارے ان کا عیش مکدر ہو گیا اور وہ مضطر کی طرح دین کی مدد کے لیے کھڑے ہو گئے اور ایسی کتابیں تصنیف کہیں جو دقائق و معارف سے بھری ہوتی ہیں اور جن کی نظیر پہلے لوگوں کی کتابوں میں نہیں پائی جاتی۔ ان کی عبارتیں باوجود مختصر ہونے کے وضاحت سے بھری ہوتی ہیں اور ان کے الفاظ نہایت دلربا اور اعلیٰ درجہ کے ہیں۔

بڑے بڑے عالموں کی زبانوں نے ان کی مدح سرائی کی ہے۔ مؤلف فاضل نے ان کتابوں میں قرآن شریف کے نکات کی تفسیر کرنے کے لیے کمر ہمت باندھی ہے اور اپنی تحقیق میں روایت و درایت کو ہم زبان کرنے کی مشقت اٹھائی ہے۔

انہیں قرآن کریم کے حقائق کے اخراج میں اور فرقان حمید کے حقائق کے پھیلانے میں عجیب ملکہ ہے۔ ہزاروں صلحاء نے آپ کے درسوں سے اکتساب فیض کیا۔ آپ کے درسوں کے سلسلے

میں حضرت صاحبزادہ پیر سراج الحق صاحب سرساوی نعمانی نبیرہ حضرت پہار قطبؒ تحریر فرماتے ہیں کہ حضرت اقدس علیہ السلام بار بار مجھے فرمایا کرتے تھے کہ حضرت مولوی نورالدین صاحب کی تفسیر قرآن آسمانی تفسیر ہے صاحبزادہ صاحب ان سے قرآن پڑھا کرو اور ان کے درس قرآن میں بیٹھا کرو اور سنا کرو۔ اگر تم نے دو تین سپارے بھی حضرت مولوی صاحب سے سنے یا پڑھے تو تم کو قرآن شریف سمجھنے کا مادہ اور تفسیر کرنے کا ملکہ ہو جائے گا۔ یہ بات مجھے سے حضرت اقدس علیہ السلام نے شاید پچاس مرتبہ کہی ہو گی۔ (تذکرۃ المہدی ۱ : ۲۴۴)

"ایک ایسی شخصیت جو وسعت علمی کے ساتھ زہد و تورع کے علمی مظاہر کا گنجینہ تھی اب ہم میں نہیں ہے۔ معارف دینیہ اور دقائق طبیہ کے ساتھ ایک پر وسعت مطالعہ کے امتزاج نے جو صحف آسمانی سے لے کر عام افسانوں تک محیط تھا نورالدین کو ایک ایسی اوج نظر پر فائز کر دیا تھا کہ نوع انسانی کے جذبات کا طلسم سر آشکار ہو جاتا ہے۔ یہی باعث تھا کہ اس کے معانی پرور لب تکلیف کا ایک ہلکا سا تموج کسی مخالف کی فسوں پرور بلند آہنگیوں پر ایک مہر سکوت بن جاتا تھا۔ اس کی تمام آب و گل، جوششِ دینی اور وسعتِ علمی کا ایک پر ندرت مجموعہ تھی اور اس کی جہاں پیما تار نظر ایک پر جذب کمند حکمت تھی۔

اس کے حکیمانہ تجسس نے کمالِ تورع کے ساتھ مل کر لطائف سپہری کی آغوش اس کے لیے کھول دی تھی اور حکمت اولی پر اس کا اعتماد سطح عملیت پر فائز ہو گیا تھا۔

نورالدین کی ذات گرامی ہماری مادی نگاہوں سے مستور ہے لیکن مساحت گیتی پر اس کے نقش پا بدستور ثبت ہیں اور منزل استقامت کی جانب ہماری راہبری کر رہے ہیں۔

لطف ازل اس کی خاک پر عنبر بار ہو"

(رسالہ البلاغ ۱۹۱۴ء)

حضرت حکیم الامت نے قرآن مجید کی تفسیر خود قرآن مجید اور سنت نبویؐ سے، قصص کی تشریح احادیث صحیحہ، آثار صحابہ اور کتب سابقہ اور جدید اثری اور تاریخی انکشافات سے، پیشگوئیوں کا اثبات واقعات، تواریخ معتبرہ اور منہاج نبوت، سے علمی نکات کا بیان علوم جدیدہ محققہ سے، حال کا بیان اپنے ذاتی تجربات اور ربانی صوفیا کے واردات سے کیا ہے۔ آپ متشابہات کو محکمات کے تابع رکھتے تھے آپ کے ہاں اس قسم کی کوئی بے راہ روی نہ تھی کہ قرآن کا طرز بیان تحریری نہیں بلکہ تقریری ہے۔ آپ قرآن کو تقریری اور تحریری دونوں اسالیب کا جامع سمجھتے تھے اور لفظاً و معناً مربوط گردانتے تھے۔ فہم قرآن میں آپ ادبی مطالعہ کو بڑی اہمیت دیتے تھے اور اس کے ادب، صرف و نحو، معانی، بیان و بلاغت پر ان کی گہری نظر تھی اور دیار عرب میں سات سال رہ کر انہوں نے ذوق عربیت پیدا کیا تھا اور عربی نظم و نثر میں بے تکان لکھتے اور بولتے تھے اور کلام فصحا عرب پڑھ کر اور اس ماحول میں رہ کر اس اسلوب اور لغت سے خوب آگاہ تھے جو نزول قرآن کے وقت بولی اور لکھی جاتی تھی۔ اور عرب کے جغرافیہ، اس کی طبعیات و تاریخ، اس کے معنوی محیط، مذاہب، معتقدات اور اس عہد کی طبعی، اخلاقی اور روحانی حالتوں پر ان کی نظر تھی۔ قرآنی مصطلحات کو اچھی طرح سمجھتے تھے۔ علم تعبیر رویا۔ سے آگاہ تھے۔ ربط و نظم قرآن کا گہری نگاہ سے مطالعہ کیا تھا۔ شان نزول کی حقیقت سمجھتے تھے۔ اسماء باری تعالیٰ کو مطالب قرآنی کی کلید جانتے تھے۔ مقطعات قرآنی کا اللہ تعالیٰ نے آپ کو خاص علم عطا فرمایا تھا۔ قرآن مجید کی قسموں پر آپ نے بڑی عارفانہ نظر ڈالی ہے۔ علم ابدان اور علم ادیان دونوں پر آپ کی دسترس تھی۔ آیات قرآنیہ کے بارے میں ان کا نقطۂ نگاہ یہ تھا کہ وہ ایک دوسرے کے اجمال کی تفصیل، مبہمات کی تعیین اور

مطلقات کی تعقید تو کرتی ہیں اور احکام و فرائض میں توازن و تناسب تو پیدا ہوتا ہے لیکن یہ سمجھنا کہ قرآن میں بعض آیات ایسی بھی ہیں جن کا حکم زائل ہو چکا ہے۔ اب ان پر عمل منع ہے وہ آیات پڑھی تو جاتی ہیں لیکن ان پر عمل منسوخ کر دیا گیا ہے بالکل غلط ہے۔ اس سے قرآن کی حفاظت اور ابدیت پر دھبہ لگتا ہے۔ علم قرات کو بھی وہ خوب جانتے تھے۔ اسرائیلیات سے ہمیشہ مجتنب رہتے تھے۔ علم الاجتماع کو بھی نظرانداز نہ کرتے تھے۔ اسماء القرآن اور اسماء سور سے بھی مطالب کا استخراج انہیں پسند تھا۔

اپنے ترجمہ اور تفسیر میں ان اعتراضات کو رد کرنے کی طرف خاص توجہ دیتے تھے جو غیر مسلموں اور مستشرقین مغرب کی طرف سے قرآن اور اسلام پر کیے جاتے ہیں۔ دنیا کی جدید ضروریات اور نظر و تدبر کے نئے تقاضوں کی خود قرآن مجید سے تکمیل کی گئی ہے۔ قرآن مجید کے طریق استدلال اور مقصد موعظت و تذکیر کو دور از کار بحثوں میں الجھنے اور گم ہونے نہیں دیتے تھے۔

ترجمہ کے جو طریق ہیں ان میں ترجمانی کے طریق کو ناپسند کرتے تھے کیونکہ اس سے انسان خالی الذہن ہو کر اصل متن سے دور ہٹ جاتا ہے اور تفسیر بالرائے کی قدم قدم پر گنجائش نکل آتی ہے۔ اس سے بہتر تحت اللفظ ترجمہ ہے لیکن اس سے مطالب کھل کر سامنے نہیں آتے۔ آپ کو ترجمہ کا یہ انداز پسند تھا کہ ترجمہ لفظی بھی ہو اور بامحاورہ بھی اس میں انتشار ضمائر کو بھی سنبھالا گیا ہو اور اگر اصل متن کے الفاظ سے ترجمہ کی زبان کی کوتاہ دامنی کی وجہ سے کسی وضاحت کی ضرورت ہو تو وہ الفاظ علیحدہ طور پر مثلاً ہلالین وغیرہ میں نمایاں کر کے دکھا دیئے جائیں۔ اس طرح ترجمہ مطلب خیز بھی ہو جاتا ہے اور لغت کے مطابق بھی اور بے راہ روی کی راہیں بند ہو جاتی ہیں لیکن اپنی جگہ ہلالین وغیرہ کی عبارتوں کے بغیر بھی ترجمہ مکمل رہتا ہے اس طرح یہ انداز تعبیر لفظی ترجمہ کی تمام خوبیاں بھی اپنے اندر رکھتا ہے اور مترجم کی نظروں سے راہ نما بھی گم نہیں ہوتا اور وہ خالی الذہن نہیں ہوتا اور بے قید تعبیرات کی وادیوں میں نہیں بھٹکتا۔

عربی زبان کے الفاظ اس قدر وسیع معنویت اپنے اندر رکھتے ہیں کہ کسی دوسرے لفظ سے خواہ وہ خود عربی زبان ہی کا لفظ کیوں نہ ہو اس کے ترجمہ کا حق ادا نہیں ہوتا۔ حقیقی طور پر عربی زبان میں ایک دوسرے سے بالکل مترادف کوئی لفظ ہے بھی نہیں۔ باہم ملتے جلتے الفاظ میں بھی رنگ معنی بدل جاتا ہے۔ مثلاً عربی زبان کا ایک لفظ ہے ولّی اور دوسرا ادبر ہے۔ بظاہر ان کے ایک ہی معنی سمجھے جاتے ہیں لیکن فی الحقیقت ولّی صرف پیٹھ پھیر دینا ہے اور ادبار میں بھاگنے کا مفہوم ہے۔ اسی طرح حمد، ثنا، مدح اور منکر وغیرہ کے الفاظ میں معنوی فرق ہے۔

قرآن مجید میں عربی الفاظ کے استعمال میں لغوی وسعت پائی جاتی ہے اس وجہ سے آپ کو بعض جگہ ترجمہ میں ایک لفظ کے متعدد معنی ملیں گے جیسے ریب کا لفظ ہے۔ پھر ایک جگہ ایک لفظ ایک معنی میں استعمال ہوا ہے تو دوسری جگہ وہی لفظ کسی اور معنی میں استعمال کیا گیا ہے۔ یہ صرف زبان کی باریک لطافت اور سیاق و سباق کلام بتاتا ہے کہ کون سے معنی کس جگہ مراد ہیں۔ مثلاً ممترین کا لفظ ہے ایک جگہ اس کے معنی ہیں شک کرنے والے لوگ لیکن دوسری جگہ اس کے معنی ہیں جھگڑنے والے لوگ۔ یا کافر کا لفظ ایک جگہ کسان کے لئے استعمال ہوا ہے جو دانے کو زمین میں ڈال کر چھپا دیتا ہے اور دوسری جگہ پر یہی لفظ بطور اصطلاح مومن و مسلم کے مقابل میں استعمال ہوا ہے۔ اصحاب الجنۃ سے عموماً بہشتی لوگ مراد ہیں مگر ایک جگہ دنیا کے ایک باغ کے مالک مراد لے گئے ہیں۔ اصحاب النار سے دوزخی مراد ہیں لیکن ایک جگہ اس سے دوزخ کے داروغے مراد ہیں۔

حضرت حکیم الامت نے اللہ کے لفظ کا ترجمہ کسی دوسرے

لفظ سے نہیں کیا بلکہ اسے ہمیشہ بجالہ قائم رکھا ہے۔ فرماتے تھے کہ اللہ باری تعالیٰ کا اسم ذات ہے اور عربی کے سوا کسی دوسری زبان میں اللہ کا اسم ذات موجود نہیں اور یہ لفظ نہ عہد اسلام میں نہ اس سے پہلے کبھی کسی دوسرے مفہوم یا ذات کے لیے استعمال ہوا ہے۔ یہ کسی لفظ سے مشتق بھی نہیں اور نہ اس سے کوئی دوسرا لفظ مشتق ہے اس لیے اگر اس لفظ کو قائم نہ رکھا جائے یا کسی دوسرے لفظ سے اس کا ترجمہ کر دیا جائے تو قرآن اور لغت دونوں لحاظ سے غلطی کا ارتکاب ہو گا۔ جن لوگوں نے کسی دوسرے لفظ سے اس کا ترجمہ کیا ہے وہ درست نہیں۔ چینیوں کی زبان میں اللہ کا کوئی اور نام ہے، ہندوستانیوں کی زبان میں اور ان ناموں کے ساتھ ان کے بعض ذہنی اور روایتی تصورات وابستہ ہیں۔ اس لئے مثلاً انگریزی کا لفظ گاڈ، فارسی کا لفظ خدا، سنسکرت کا اوم یا پرمیشر وغیرہ ایک ہی مفہوم کو ادا نہیں کر سکتے۔ اس طرح ترجمہ کرتے وقت اگر اللہ کے لیے ہر زبان کا کوئی لفظ اختیار کیا جائے گا تو قرآن اور اسلام کے اللہ کا تصور تو چھپ جائے گا اور اس کی بجائے اس کے بارے میں مختلف خیالات ذہن میں ابھر آئیں گے اور مختلف قوموں کے سامنے مختلف کیفیات و صفات کا خدا ہو گا۔ اس لیے کسی زبان میں قرآن کا ترجمہ کرتے وقت لفظ اللہ کو بجنسہ قائم رکھنا چاہیئے اور اس کا ترجمہ نہیں کرنا چاہیئے۔ اور اس طرح بھی اعلام اور ذاتی ناموں کا ترجمہ بے معنی سی بات ہے۔

عموماً دیکھنے میں آیا ہے کہ مترجم پہلے کسی لفظ کا مبہم سا ترجمہ کرکے ذہن کو مشوش کر دیتا ہے پھر حواشی تفسیریہ میں اس اعتراض کو دور کرنے کی کوشش کرتا ہے جو قاری کو بسا اوقات مطمئن نہیں کرتے۔ مثلاً نسی کے معنی صرف بھول جانا کر کے ہی نسواللہ فنسیھم (۹ : ۶۸) کا ترجمہ کیا "وہ اللہ کو بھول گئے تب اللہ نے بھی انہیں بھلا دیا"۔ اس پر جب اعتراض ہوا کہ مسلمانوں کا خدا بھلکڑ ہے تو مشکل پیش آ گئی۔ حالانکہ بات بالکل صاف تھی۔ لغت میں نَسی بمعنی تَرک بھی آتا ہے، ترجمہ یوں ہوا "انہوں نے اللہ کو چھوڑ دیا اس پر بطور سزا اللہ نے بھی انہیں چھوڑ دیا۔" اللہُ یَستَھزِئُ بِھِم (۲ : ۱۰) کا صاف ترجمہ جو لغت اور محاورہ عرب کے عین مطابق ہے یہ ہے کہ اللہ انہیں حقیر و ذلیل کر دے گا۔ گویا آپ اعتراض کی جڑ درست ترجمہ کر کے ہی کاٹ دیتے تھے اور اس طرح لمبے چوڑے حواشی اور تفسیری نوٹوں کی ضرورت ہی نہیں رہتی تھی۔

کتب تفسیر میں بکثرت یہ بحثیں ملتی ہیں کہ کسی آیت میں فلاں لفظ مثلاً صفت واقع ہوا ہے یا بدل ہے۔ یا اس کی حیثیت مضاف یا مضاف الیہ کی ہے۔ پھر یہ کہ منصوب ہے یا مجرور وغیرہ۔ اور قواعد زبان کی رو سے وہاں کون کون سے الفاظ محذوف ہیں۔ یہ بحثیں غیر عربی دانوں کے لیے نہ دلچسپی کا باعث ہیں اور نہ وہ اس سے توضیح کے حوالے سے کوئی فائدہ ہی حاصل کر سکتے ہیں۔ حضرت حکیم الامت نے اپنے علم و تحقیق کے مطابق جس پہلو کو صحیح سمجھا ہے مصطلحات کے چکروں میں ڈالے بغیر اور صرف و نحو و بلاغت کے سانچوں میں رکھنے کے بجائے عام فہم سادہ ترجمہ اس کے مطابق کر دیا ہے اور قواعد کی باریک بحثوں میں پڑھنے والوں کو نہیں الجھایا اور ان کے اوقات کا بہت سا حصہ بچا لیا ہے جس کے لیے مترجم کو وادیاں قطع کرنا پڑی تھیں۔ مثلاً افعال ناقصہ کے صیغے جیسے کان وغیرہ عموماً مضارع سے پہلے حذف کر دیے جاتے ہیں یعنی کان یفعل میں صرف یفعل کہنا کافی ہوتا ہے۔ کلام عرب اور قرآن مجید میں بکثرت اس کی مثالیں ملتی ہیں۔ اس کے مطابق آیت قرآنی قد نری تقلب وجھک (۲ : ۱۴۴) کا اصل قد کنا نری ہے۔ ترجمہ میں اس حذف کو کھول دیا گیا ہے اور نحوی بحث کرنے کی بجائے ترجمہ یوں کیا ہے "ہم دیکھتے رہے ہیں"۔ فاعل مفعول میں سے کسی کو بعض دفعہ مقدم لایا جاتا ہے۔ عموماً یہ اسلوب حصر کا فائدہ

دیتا ہے۔ چنانچہ ترجمہ میں "صرف" اور "ہی" وغیرہ کے الفاظ لاکر اس حصر کی کسی نحوی بحث کے بغیر توضیح کر دی گئی ہے۔ اس طرح تاکید کا مضمون پیدا کرنے کے لیے عربی زبان میں بہت سے الفاظ ہیں ان میں سے ایک ب بھی ہے۔ جیسے وَمَا هُمۡ بِمُؤۡمِنِيۡنَ (۲ : ۸) اس کا یہ ترجمہ کرنا کہ "وہ مومن نہیں" درست نہیں ہو گا کیونکہ ب کے حرف نے جو تاکید پیدا کی ہے وہ ترجمہ میں نظر نہیں آتی۔ اس کا درست ترجمہ ہو گا "وہ ہرگز مومن نہیں۔" یہاں ہرگز کے لفظ سے مطلوبہ تاکید پیدا کر دی گئی ہے۔ الؔ کا حرف کامل کے معنی بھی رکھتا ہے اس لیے الکتاب (۲ : ۲) کا ترجمہ صرف کتاب نہیں بلکہ کامل کتاب ہو گا۔ ف کا حرف بعض دفعہ نتیجہ کے لیے استعمال ہوتا ہے اور کبھی وہ مضمون جس سے نتیجہ اخذ کیا گیا ہے ملفوظ نہیں ہوتا لیکن عبارت ماسبق میں اس کا مفہوم پیدا ہو رہا ہوتا ہے۔

ل دو قسم کے ہوتے ہیں ایک لام تعلیل اور دوسرا لام عاقبت۔ اس بحث کی بجائے ترجمہ اس کے مطابق کیا گیا ہے۔ لام تعلیل کا ترجمہ یوں ہے "اس وجہ سے" اور لام عاقبت کا ترجمہ "اس طرح کہ اس کا نتیجہ یہ ہوا۔" الا کا حرف بھی دو طرح کے معنی دیتا ہے ایک کو استثناء منفصل کہتے ہیں اور دوسرے کو استثناء متصل۔ استثناء منفصل میں جس چیز کا استثناء کیا گیا ہے وہ اصل جزء کا حصہ اور جزو نہیں ہوتی۔ بعض مترجمین نے اس فرق کو نہ سمجھنے کی وجہ سے بہت سی جگہوں میں ٹھوکر کھائی ہے مثلاً الا ابلیس (۲ : ۳۴) کی آیت میں سمجھا گیا کہ یہاں الا استثناء منفصل نہیں اور یوں ابلیس کو بھی ملائکہ میں سے سمجھ لیا گیا۔

قرآن مجید میں انتشار ضمائر کی بلاغت بہت ہے اور دوران بیان میں ضمائر بدلتے رہتے ہیں اسے اصطلاح بلاغت میں التفات کہا جاتا ہے۔ حکیم الامت نے ترجمہ میں ضمائر کے مرجع کو عموماً واضح کر دیا ہے۔ عربی زبان میں جملہ اسمیہ میں فعل کے بغیر بھی کلام مکمل ہوتا ہے لیکن اردو وغیرہ میں ایسا نہیں۔ عربی کے اس استعمال میں بہت سے فوائد ہیں، مثلاً ایسا جملہ زمانہ کی قید سے آزاد ہوتا ہے۔ لا الہ الا اللہ جملہ اسمیہ ہے اس لیے اس کے معنی ہوں گے "اللہ کے سوا نہ کوئی معبود ہو سکتا ہے، نہ تھا، نہ ہو گا۔"

بعض اوقات کسی کلام میں کوئی لفظ محذوف اور مقدر ہوتا ہے لیکن زبان دانوں کے نزدیک اس کا صرف ایک ہی مفہوم ہو سکتا ہے اور وہاں وہی مقدر مراد ہوتا ہے۔ دوسرا نہیں۔ مرزا مظہر جان جاناں کا ایک مشہور واقعہ ہے۔ آپ نے ایک مرتبہ اپنے کسی پنجابی مرید سے فرمایا میاں ذرا صراحی اٹھالانا اور دیکھنا پیٹ پکڑ کر اٹھانا۔ مرید نے کیا کیا کہ ایک ہاتھ سے انہوں نے صراحی کی گردن پکڑی اور دوسرے ہاتھ سے اپنا پیٹ پکڑا اور اسی انداز سے صراحی حضرت شیخ کے سامنے لاکر رکھ دی۔ اس واقعہ سے زبان اور ذوق زبان کا فرق نمایاں طور پر معلوم ہو جاتا ہے۔ ذوق زبان میں اس چیز کی ضرورت نہ تھی کہ کہا جاتا "دیکھنا (صراحی کا) پیٹ پکڑ کر اٹھانا" اور نہ پیٹ کے لفظ کی تشریح کی ضرورت تھی۔ ہر زبان دان اس موقعہ پر پیٹ کے لفظ کا مفہوم بھی سمجھتا ہے اور اسے ہلالین کے اندر کی عبارت کی ضرورت نہ تھی وہ ان باتوں کے بغیر بھی شیخ کی عبارت کا مفہوم سمجھتا لیکن دوسری زبان والے کے لیے وضاحت کی ضرورت پیدا ہو گئی۔

جن مقامات پر الفاظ کی نامناسب پیروی سے تنزیہہ و تقدیس باری پر حرف آتا ہو وہاں بعض جگہ مطلب کا عکس نقیض کر کے پیش کیا گیا ہے۔ مثلاً وَاللّٰهُ لَا يَهۡدِى الۡقَوۡمَ الظّٰلِمِيۡنَ (۳ : ۸۶) کا یہ ترجمہ بھی ہے کہ ظلم کی راہ اللہ کی بتائی ہوئی نہیں۔ عربی زبان میں بعض الفاظ متضاد معنی دیتے ہیں، مثلاً رجاء کے معنی امید کے بھی ہیں اور خوف کے بھی۔ ایسی صفات اضداد کے دونوں تراجم کا حسب موقع استعمال کیا گیا ہے اکثر ان آیات میں جہاں ضمیر واحد متکلم مخاطب سے کسی نا

پسندیدہ امر کے نہ کرنے کا حکم دیا گیا ہے اس سے بعض مترجمین نے عموماً ذات معصوم حضرت مقدس نبوی صلی اللہ علیہ وسلم مراد لے لی ہے۔ لیکن آپ نے ایسی غلطیوں سے اجتناب کیا۔

معلوم نہیں یہ خیال یا خبط کہاں کب اور کیسے پیدا ہوا کہ قرآن مجید کا طرز بیان تحریری نہیں بلکہ تقریری ہے۔ قرآن مجید نے بار بار اسے بطور ایک کتاب یعنی تحریر کے پیش کیا ہے۔ قرآن مجید کی بالکل ابتداء بلکہ خود قرآن مجید کا آغاز جن آیات قرآنیہ سے ہوا (۹۶ : ۱-۵) وہ آیات جیسا کہ بعض احادیث میں مرقوم ہے، ایک پارچہ ریشم پر لکھی ہوئی نبی اکرمؐ کو دکھائی گئیں۔ ہم پڑھتے ہیں ذٰلِکَ الکِتٰبُ کہ یہ ایک جامع اور مکمل کتاب ہے پھر نامعلوم کس وجہ سے یہ کہنے کی جسارت کی جاتی ہے کہ قرآن کا طرز بیان تحریری نہیں بلکہ تقریری ہے۔ اس لیے ترجمہ کرتے وقت تقریر کی زبان کو تحریر کی زبان میں تبدیل کرنا ضروری ہے اور پھر اس تبدیلی کی آڑ میں احکام قرآن کو اپنی تاویلات سے یہ لوگ پاژند بنا دیتے ہیں۔

قرآن مجید کو قرآن مجید میں کتاب بھی کہا گیا ہے یعنی تحریر اور اس کا نام قرآن یعنی پڑھنا اور تقریر بھی ہے گویا اس کا انداز بیان تحریری بھی ہے اور تقریری بھی اور ترجمہ کرتے وقت اس میں از خود کسی تبدیلی کی ضرورت نہیں۔ یہ خیال قرآن مجید میں تبدیلی اور اپنے خیال و خبط کے مطابق کمی و بیشی کے دروازے کو کھولنے کے مترادف ہے۔ اس دروازے کو جتنی جلد بند کیا جا سکتا ہے بند کر دینا چاہیئے۔ کہ گویا محرروں کا قرآن مجید پر احسان ہے کہ انہوں نے اس کی تقریری زبان کو تحریری زبان میں منتقل کرنے کا کارنامہ سر انجام دیا۔ العیاذ باللہ خدا کی پناہ۔ قرآنی زبان کا یہی تو وہ کمال ہے کہ خواہ اسے پڑھا جائے یا سنا جائے دونوں میں بے ربطی کا سوال ہی پیدا نہیں ہوتا۔ یہ قرآن مجید کی زبان نہیں بلکہ ترجمہ کی زبان کی کوتاہ دامنی ہے جو بعض لوگوں کے ذہن میں بے ربطی پیدا کرتی ہے اور اس کی زبان کو انداز تقریر و تحریر میں بدلنے کی قطعاً کوئی ضرورت نہیں۔

قرآن مجید کی ستائیسویں سورۃ النمل میں قرآن مجید کے دو اہم ترین ناموں کا اکٹھا ذکر ہے یعنی کتاب جو کَتَبَ سے ہے یعنی لکھنا اور قرآن جو قَرَأَ سے ہے یعنی پڑھنا۔ ان ناموں میں یہ حقیقت بیان کی گئی ہے کہ یہ الٰہی کلام تحریری بھی ہے اور تقریری بھی، یہ ہمیشہ کتاب کی صورت میں بھی قائم رہے گا، لکھا اور شائع کیا جاتا رہے گا اور بکثرت پڑھا جاتے گا۔ اب ان دونوں باتوں کی صداقت پر واقعات کی شہادت کو دیکھ لو کس طرح یہ بکثرت لکھا بھی جاتا ہے اور بکثرت پڑھا بھی جاتا ہے۔ گویا اس کا انداز تحریری بھی ہے اور تقریری بھی۔

جن لفظوں اور آیتوں کے معنے متعدد طریق پر ہو سکتے ہیں حضرت حکیم الامت نے وہ معنی مقدم کئے جن کی تصدیق دوسری آیات، سنت اور احادیث صحیحہ سے ہوتی ہے اور جو قرآن کے پورے آہنگ سے مطابقت رکھتے ہیں۔ بعض جگہیں شائد پڑھنے والوں کو ایسی نظر آئیں جہاں عام تراجم سے ہٹ کر کوئی ترجمہ انہیں ملے لیکن اس بارے میں یاد رکھنا چاہیئے کہ کوئی ترجمہ کسی ایک جگہ بھی ایسا نہیں جس کی تصدیق لغت عرب سے نہ ہوتی ہو مثلاً یخادعون اللہ (۴ : ۱۴۲) کا ترجمہ کیا گیا ہے "وہ اللہ کو چھوڑتے ہیں۔" عام تراجم سے یہ ترجمہ کچھ مختلف ہے جن میں یہ ترجمہ یوں کیا گیا ہے۔ وہ اللہ تعالیٰ کو دھوکا دیتے ہیں یا دھوکا دینا چاہتے ہیں جب کہ وہ اللہ کو چھوڑنے اور ترک کرنے کا ترجمہ واضح بھی ہے، واقعات کے مطابق بھی اور ہر اعتراض سے پاک بھی اور پھر لغت عرب بھی پوری طرح اس کی تصدیق کرتی ہے چنانچہ شرح قاموس میں صاف لکھا ہے کہ خَدَعٌ و خَادِعٌ کے معنی میں خَدَعَ و خَادَعَ یعنی چھوڑنا اور ترک کرنا ہے۔

حضرت حکیم الامت نے فہم قرآن اور تفسیر کے سلسلہ میں جو نادر خزانہ چھوڑا ہے اس کی تفصیل مختلف حوالوں سے ذیل میں مرتب کی گئی ہے۔

تصنیفات حکیم الامت:-

۱۔ فصل الخطاب فی مسئلة فاتحة الکتاب

اس سوال کے جواب میں کہ سورۃ فاتحہ کے پڑھے بغیر نماز جائز ہے یا نہیں۔ (رگوناتھ پریس جموں، نومبر۱۸۷۹ء)

۲۔ فصل الخطاب فی مقدمتہ اھل الکتاب

عیسائیت کے رد میں آپ نے یہ کتاب چار جلدوں میں لکھی تھی جن میں سے دو شائع ہوئیں۔ (دہلی ۱۸۸۸ء)۔

۳۔ ایک عیسائی کے تین سوال اور ان کے جوابات (شائع کردہ انجمن حمایت اسلام لاہور۔ ۱۸۸۹ء)۔ ایک عیسائی عبداللہ جیمز نے انجمن حمایت اسلام لاہور کو اسلام کے خلاف تین سوال بغرض جواب بھیجے تھے۔ انجمن مذکور نے ان کے جواب کے لیے وہ سوال علمائے اسلام کو بھجوائے۔ وہ سوال حضرت امام حمام مسیح موعود علیہ السلام اور حضرت حکیم الامت علامہ نور الدین کو بھی بھجوائے گئے تھے۔ دوسرے لوگوں میں سے تو صرف ایک صاحب مولوی عبدالحکیم صاحب کا مختصر سا جواب موصول ہوا لیکن حضرت اقدس علیہ السلام اور حضرت حکیم الامت نے علیحدہ علیحدہ ان کے مفصل جواب تحریر کیے۔ ان تینوں کے جوابات انجمن نے ۱۸۸۵ء میں لاہور سے شائع کر دیے۔ حضرت حکیم الامت کا جواب بعد میں رسالہ ریویو اف ریلیجنز میں بھی شائع ہوا۔

۴۔ تصدیق براہین احمدیہ

قرآن، اسلام اور حضرت اقدس مسیح موعود علیہ السلام کی معرکتہ الارا کتاب "براھین احمدیہ" پر پنڈت لیکھرام پشاوری نے "تکذیب براھین احمدیہ" کے نام سے بعض انگریزی دان اور دوسرے لوگوں کی مدد سے ایک کتاب شائع کی تھی۔ ان کے جواب میں حضرت مسیح موعود علیہ السلام کی زوردار تحریک اور ارشاد کے ماتحت آپ نے یہ کتاب ۱۸۹۰ء میں لکھی۔

۵۔ ابطال الوہیت مسیح (۱۸۹۰ء)

۶۔ رد تناسخ (پنجاب پریس سیالکوٹ ۱۸۹۱ء)

۷۔ ایک شیعہ دوست کے نام خط

یہ خط کشمیر کے راجہ امر سنگھ کے ایما سے لکھا گیا۔ (اکتوبر ۱۹۰۱ء)

۸۔ رسالہ رد نسخ قرآن۔ یہ رسالہ بھی راجہ امر سنگھ ہی کے ایما سے لکھا گیا تھا (۱۹۰۱ء)

۹۔ تفسیر سورۃ جمعہ

۱۰۔ نورالدین بجواب ترک اسلام (۱۹۰۳ء) آریوں کے رد میں (۱۹۰۴ء)۔

۱۱۔ دینیات کا پہلا رسالہ۔ (جنوری ۱۹۰۶ء)

۱۲۔ مبادی الصرف۔ (۱۹۰۶ء)

۱۳۔ مبادی الصرف والنحو۔ (۱۹۰۷ء)

۱۴۔ ترجمۃ القرآن

حکیم الامت نے پورے قرآن مجید کا ترجمہ اور مختصر حواشی لکھ کر شیخ عبدالرشید میرٹھ کو ان کی درخواست پر شائع کرنے کے لیے دیے تھے۔ اس کا صرف پہلا پارہ موجود ہے۔ بڑے سائز پر جلی قلم سے قرآن مجید کا نہایت صحیح اور خوبصورت متن، بین السطور ترجمہ اور حاشیہ پر مختصر نوٹس ہیں۔ (میرٹھ ۱۹۰۷ء)

۱۵۔ مرقاۃ الیقین فی حیوۃ نور الدین (حصہ اول)

یہ حضرت حکیم الامت کے اپنے املاء کردہ حالات زندگی کا پہلا حصہ ہے۔ کتاب کا یہ نام حضرت حکیم الامت کے شاگرد رشید حضرت حافظ روشن علی صاحب کا تجویز کردہ ہے۔ مرتبہ اکبر شاہ خان

صاحب نجیب آبادی (۱۹۱۲ء)۔

۱۶۔ مجربات نورالدین (۳ جلد)

مرتبہ مفتی فضل الرحمن صاحب (۱۹۰۹ء)۔

۱۷۔ بیاض نورالدین حصہ اول

حکیم الامت کی خود نوشت، (قادیان ۱۹۲۸ء)

۱۸۔ تفسیر قرآن عربی۔ (قلمی)

ملفوظات:۔

۱۹۔ خطبات نور (دو جلد)

مرتبہ بابو عبدالحمید صاحب۔ (لاہور ۱۹۱۲ء)۔

۲۰۔ خطبات نور (دو جلد)

مرتبہ بابو عبدالحمید صاحب۔ مع چند مزید خطبات کے۔ ربوہ

۲۱۔ وفات مسیح موعودؑ۔ (۱۹۰۸ء)

۲۲۔ درس القرآن شائع شدہ اخبار بدر (۱۹۰۳ء)۔

۲۳۔ درس القرآن شائع شدہ اخبار بدر (۱۹۰۹ء)۔

۲۴۔ درس القرآن شائع شدہ اخبار بدر (۱۹۱۳ء)۔

۲۵۔ درس رمضان شائع شدہ اخبار بدر (۱۹۱۳ء)

۲۶۔ تفسیر احمدی مرتبہ و شائع کردہ میر محمد سعید صاحب مع مکمل ترجمہ قرآن مصدقہ حضرت حافظ روشن علی صاحب شاگرد رشید حکیم الامت۔ (حیدر آباد دکن ۱۹۱۵ء)

۲۷۔ ملفوظات نور (۱۹۱۳ء)

۲۸۔ کلام امیر (۱۹۱۸ء)۔

۲۹۔ روحانی علوم (۱۹۱۸ء)۔

۳۰۔ ترجمۃ القرآن

مرتبہ و شائع کردہ شیخ یعقوب علی صاحب تراب عرفانی

۳۱۔ تفسیر القرآن بالقرآن مرتبہ ڈاکٹر عبدالحکیم (۱۹۰۴ء)

۳۲۔ بیاض نورالدین (حصہ اول و دوم) (قلمی)۔

۳۳۔ درس القرآن

نوٹس محررہ حضرت ملک غلام فرید صاحب (قلمی)۔

۳۴۔ درس القرآن

نوٹس محررہ حضرت مفتی محمد صادق صاحب (۱۹۰۲ء) (قلمی)۔

۳۵۔ درس القرآن

نوٹس محررہ حضرت مفتی محمد صادق صاحب (۱۹۰۵ء) (قلمی)۔

۳۶۔ درس القرآن

نوٹس محررہ منشی اللہ داد صاحب خوشاب (قلمی)۔

۳۷۔ تفسیر سروری۔

مرتبہ حضرت مولوی سید محمد سرور شاہ صاحب جو بطور ضمیمہ رسالہ ریویو آف ریلیجنز میں شائع ہوتی رہی۔

۳۸۔ حکیم الامت کی خود نوشت ڈائری نمبر۱ (قلمی)۔

۳۹۔ حکیم الامت کی خود نوشت ڈائری نمبر۲ (قلمی)۔

۴۰۔ حکیم الامت کی خود نوشت ڈائری (قلمی)۔

۴۱۔ تفسیری نکات جو وقتاً فوقتاً اخبار بدر، اخبار الحکم، رسالہ ریویو آف ریلیجنز، رسالہ تعلیم الاسلام، اخبار الفضل اور سلسلہ کی بعض کتب میں شائع ہوتے رہے۔

۴۲۔ جستہ جستہ نوٹس جو تفسیر کبیر کی مختلف جلدوں میں بیان ہو چکے ہیں۔

مختلف کتب:۔

۴۳۔ حیاۃ نورالدین از مفتی محمد صادق صاحب۔

۴۴۔ حیاۃ نور۔ مرتبہ سوداگر مل مولوی عبدالقادر صاحب۔

۴۶۔ تاریخ احمدیت (جلد چہارم) مرتبہ دار المصنفین ربوہ۔ جو حضرت حکیم الامت کی سوانح حیات پر مشتمل ہے۔

۴۷۔ حضرت مولوی نور الدین خلیفہ المسیح الاول (بزبان انگریزی) از سر محمد ظفر اللہ خان صاحب جج و پریذیڈنٹ انٹرنیشنل کورٹ آف جسٹس، لندن۔

انگریزی سے ترجمہ

بے نظیر روحانی انوار کا الٰہی سرچشمہ --- ۳

حضرت محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم

شیخ غلام ربانی ایم اے ' ایل ایل بی

باب دوم - نبوت کی حقیقت اور اس کے مضمرات --- ۲

محمد رسول اللہ ﷺ کا صبر اور استقلال

حضرت نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نہایت کمال کے راستباز اور پاک باز ہونے کے ساتھ ساتھ صبر و استقلال کے بھی مجسم تھے۔ انہیں مکہ کے غیر مسلم مخالفین کی مخالفت کے ایک عظیم طوفان کا سامنا تھا۔ جنہوں نے ان کو بدترین قسم کی اذیتیں دیں۔ لیکن حضورؐ ان شدید ذہنی اور جسمانی مخالفتوں اور مظالم کے سامنے نہایت استقلال سے کھڑے رہے۔ یہ ایک ناقابل تردید حقیقت ہے کہ حضورؐ کو اس مقابلہ میں کسی قسم کا ذاتی فائدہ نہ تھا بلکہ اس میں ان کی جان بھی جا سکتی تھی۔ اپنے پیغام کی تبلیغ میں انہیں ہر آن بڑھتی ہوئی مخالفت کا سامنا کرنا پڑا۔ جب آپؐ کے مخالفوں کو انداز ہوا کہ کوئی بڑی سے بڑی تکلیف بھی انہیں اپنے مشن کی تبلیغ سے باز نہیں رکھ سکتی تو مخالفوں نے ایک اور ترکیب سوچی کہ انہیں دنیاوی لالچ دیا جائے۔ یہ عتبہ ابن السبع تھا جو کفار کے دانشوروں میں سے ایک تھا جس نے محمد رسول اللہ ﷺ کو دنیاوی لالچ سے ورغلانے اور آپؐ کے مشن سے پھسلانے کا ارادہ کیا۔ اس نے کہا کہ آپؐ کو دولت چاہیے تو وہ انہیں دنیا کا مالدار ترین بنا دیں گے۔ اگر انہیں معزز بننے کی خواہش ہے تو انہیں معاشرہ میں سب سے اونچی جگہ دیں گے۔ اگر انہیں بادشاہت کی خواہش ہے تو وہ انہیں اپنا بادشاہ مان لیں گے۔ جواب میں حضورؐ نے قرآن مجید کی چند آیات تلاوت فرمائیں :-

"اس کی نشانیوں میں سے رات اور دن بھی ہیں اور چاند و سورج بھی اس کے نشان ہیں تو نہ سورج کی پرستش کرو اور نہ چاند کی بلکہ اس خدا کی عبادت کرو جس نے انہیں تخلیق کیا ہے اگر تم اسی کی عبادت کرتے ہو" (۴۱ : ۳۷)۔

عتبہ جو قریش میں بڑا عاقل ' زیرک اور صاحب تمیز و دانش شمار کیا جاتا تھا۔ حیرت سے کچھ عرصے تک لغت کی خوبصورت بندش اور عبارت کو سنتا رہا جو حضورؐ کے قرآن مجید کی آیات کو تلاوت کرنے سے اس کے کانوں میں اتر رہی تھی۔ پھر جب وہ اپنے ساتھیوں کی طرف لوٹ کر آیا تو اس نے کہا :-

"میں نے ایک ایسا کلام سنا ہے جس کی طرح کی عبارتیں میں نے اس سے پہلے کبھی نہیں سنی تھیں۔ یہ شاعری نہیں خدا کی قسم نہ تو یہ جادوگری ہے نہ کہانت۔ اے قریش کے لوگو ! میری بات کو غور سے سنو اور جو میں کہتا ہوں وہی کرو۔ اس شخص اور جو یہ کرتا ہے اس کے درمیان نہ آؤ۔ جو یہ کرنا چاہے اس کو اس کے حال پر چھوڑ دو کیونکہ جو الفاظ میں نے سنے ہیں یہ ایک خوشخبری کے طور پر سنے جائیں گے۔ اگر عربوں نے اس کو کوئی گزند پہنچائی تو تم دوسروں کے ہاتھوں مارے جاؤ گے اور اگر وہ عربوں پر غالب آگیا تو اس کی حاکمیت تمہاری ہی حاکمیت ہوگی اور اس کی طاقت تمہاری طاقت ہوگی اور تم دنیا کے خوش قسمت ترین انسان ہوگے۔" لیکن عربوں نے عتبہ کا مذاق اڑایا کہ اس پر بھی محمدؐ کی زبان کا جادو چل گیا ہے۔

یہ واقعہ محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے اپنے مشن میں

خلوص کو ظاہر کرتا ہے کہ وہؐ کوئی جعلساز نہ تھے جو قوت اور اقتدار کا بھوکا ہو' یا ٹھگ اور دغاباز جو مرتبے اور طاقت کے لئے دغابازی کا جال بن رہا ہوں انہوں نے تمام زندگی ایک غریبانہ اور فقیرانہ زندگی گزاری اور کفر سے نفرت کی۔ مکان جس میں حضورؐ اپنی محبوب ترین بیوی کے ساتھ رہتے تھے اتنا کھلا بھی نہ تھا کہ حضورؐ ٹھیک سے اس میں عبادت بھی کر سکیں۔ کیونکہ جب آپؐ نماز پڑھ رہے ہوتے تھے اور آپ کی زوجہ محترمہؓ سو رہی ہوتی تھیں تو وہ ٹانگیں بھی پھیلا نہ سکتی تھیں۔ گھر میں بعض مرتبہ مہینہ بھر چولھا بھی نہ جل پاتا تھا۔ اور نبیؐ اور ان کا خاندان صرف کھجوروں اور پانی پر گذارا کرتے تھے۔ یہ ساری جدوجہد صرف ایک مقصد کے لئے تھی کہ خدا کا وہ پیغام دنیا میں پھیل جائے جس سے نسل انسانی ایک خدا کی توحید اور اخلاقی ضابطے کی رفیع نظام پر یکجا ہو جائے۔ خدا کے اس پیغام کو پہچانے کے لئے آپؐ نے بہت سی برائیوں اور غلط روایات مثلاً" بت پرستی' پروہیت' الحاد' بے دینی' دہریت' دولت اور فطرت کی پوجا کے خلاف انتھک لڑائی لڑی۔

شاید اس تقریر سے بہتر اس کا بیان کوئی نہیں ہو سکتا۔ جو حضرت جعفر بن ابی طالبؓ نے نجاشی شاہ حبشہ کے دربار میں کی تھی۔ جہاں حضورؐ کی نصیحت پر ان کے بعض پیروؤں ابی سینیا میں ہجرت کر کے چلے گئے تھے تاکہ وہ شدید قسم کی جسمانی اور ذہنی اذیت سے جو مکہ میں ان کو ہو رہیں تھیں' محفوظ رہیں۔

نجاشی نے دربار میں مسلمانوں کو بلایا اور ان سے ان کے مذہب کے بارے میں دریافت کیا۔ جس پر حضرت جعفر بن ابو طالبؓ جو حضرت علیؓ کے بھائی تھے وہ تاریخی تقریر کی جو نہایت خوبصورتی سے ان جذبات کی ترجمانی کرتی تھی جس سے نبیؐ کے صحابہ متاثر ہوئے تھے اور وہ نبیؐ کے عظیم مشن کی بھی بہترین ترجمان ہے۔ انہوں نے کہا:۔

"اے بادشاہ! ہم جہالت اور درندگی کی اتھاہ گہرائیوں میں ڈوبے ہوئے تھے۔ بتوں کی پرستش کرتے تھے اور بدکاری میں غرق تھے۔ مردار کھاتے تھے اور انتہائی مکروہ کلام کرتے تھے۔ ہم میں انسانی جذبات کا کوئی احساس نہیں تھا۔ ہمسائیگی اور مہمان نوازی کے جو فرائض ہوتے ہیں ان کی کوئی پرواہ نہ کرتے تھے۔ ہمیں سوائے طاقت کے اور قانون کا کوئی پاس نہ تھا۔

خدا نے ہمارے درمیان اس انسان کو مبعوث فرمایا۔ جس کو ہم پیدائش سے جانتے ہیں کہ دیانت دار' پاک باز' صادق اور امین ہے اس نے ہمیں توحید کی طرف بلایا اور کہا کہ خدا کے ساتھ کسی کو شریک نہ کرو۔ بتوں کی پوجا سے منع فرمایا۔ ہمیں سچ بولنے کی تلقین کی اور کہا کہ اپنی امانتوں کا پاس رکھو' دلوں کے نرم ہو جاؤ' ہمسائیوں کے حقوق کی نگہداشت کرو' عورتوں کی عزت کرو' ان کی برائیاں نہ کرو' یتیموں کا مال نہ کھاؤ' گناہوں اور برائیوں سے باز رہو' نماز پڑھو' خیرات دو' روزہ رکھو۔ ہم اس پر ایمان لائے اور اس کی تعلیمات پر عمل کرتے ہیں۔ اس کے کہنے پر خدا کی عبادت کرتے ہیں اور اس کا کوئی شریک نہیں مانتے۔ اس لئے ہماری قوم ہمارے مخالف ہو گئی ہے۔ انہوں نے ہمیں اذیتیں پہنچائیں اور زخمی کیا' یہاں تک کہ ہمیں اپنا آپ غیر محفوظ لگنے لگا۔ تو ہم تمہارے ملک میں آ گئے اس امید پر کہ آپ ہمیں ہمارے مخالفوں کے ظلم سے پناہ دیں گے"۔ (سیرت ابن ہشام بحوالہ سپرٹ آف اسلام ص ص ۲۹'۳۰)۔

یہ ان کا خدا تعالٰی پر حتمی یقین اور اپنے مشن کی صداقت پر ایمان ہی تھا کہ محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک غیر متزلزل استقلال اور ثابت قدمی سے نہایت شدید مخالفت' ظلم اور نامساعد حالات کا مقابلہ کیا۔ قریش نے آپؐ کا مذاق اڑایا' تمسخر کیا اور تحقیر آمیز سلوک روا رکھا۔ ان پر سنگ باری کی گئی۔ آپؐ کے راستے میں کانٹے بچھائے گئے۔ ایک مرتبہ حضورؐ کعبہ میں عبادت کے دوران سجدہ میں گئے ہوئے تھے کہ ابو جہل اور اس کے ساتھیوں نے اونٹ کی اوجھڑی گندگی سے بھری ہوئی' آپؐ کی پیٹھ پر رکھ دی۔ لیکن حضورؐ نے یہ تمام تکالیف بہادری کے ساتھ برداشت کیں اور اپنا مشن ان

تمام ذلتوں اور بے عزتیوں کے درمیان جاری رکھا۔ محمدؐ کا استقلال ان مخالفتوں کے ذریعے آزمایا گیا۔ مذاق اڑایا گیا۔ الزام لگائے گئے کہ وہ کاہن ہیں بدیشی اور اجنبی افکار کا پرچار کر رہے ہیں۔ اور آخر کار ننگے اور عریاں ظلم کی انتہا کر دی گئی۔ ان کے سوانح نگار دوست کہتے ہیں کہ نبوت ایک گرانبار اور تکلیف دہ منصب ہے جو بہت ہی کم لوگ مخالفت اور مخاصمت کے سبب اٹھانے کا حوصلہ رکھتے ہیں" (الفرڈ غلمان' اسلام' لندن' ص ۳۰)

حضرت نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم اور ان کے اصحاب اس کے بعد ایک منظم تشدد کا نشانہ بنائے گئے۔ تین سال تک محمد رسول اللہ ﷺ اور ان کے دو خاندان بنو ہاشم اور بنو مطلب کو ایک تنگ گھاٹی میں جو مکہ کے نواح میں واقع تھی ایک شدید معاشرتی بائیکاٹ کا سامنا کرنا پڑا۔ یہ ایک انتہائی قسم کا سماجی مقاطعہ تھا کسی اور قبیلہ کے لوگوں کو ان کے ساتھ رابطہ کی اجازت نہ تھی۔ نہ ان سے رشتہ ازدواج کی اجازت تھی اور نہ ہی وہ ان کے ساتھ کوئی تجارت کر سکتے تھے۔ غذا بھی کمیاب تھی اور اس طرح ان کو عظیم مصائب اور دکھوں کا سامنا تھا۔ لیکن نہ تو نبی اکرم ﷺ اور نہ ہی ان کے متبعین نے کوئی پرواہ کی اور نہ نبی اکرم ﷺ کے پائے استقلال میں کوئی لرزش آئی اور وہ بدستور اپنے مشن کی تبلیغ کرتے رہے اور جب بھی کوئی موقعہ میسر آیا کہ کوئی مکہ سے باہر کا آدمی ان کو ملنے کے لئے آیا تو انہوں نے اسے تبلیغ کرنے میں کوئی کوتاہی نہ کی۔

تیسرے سال قریش کے بعض اعتدال پسندوں کو اس جرم کا احساس ہوا کہ انہوں نے اپنے ہی لواحقین کو تنہا کر دیا ہے اور ان کو اس شدید طور پر ظلم و استبداد کا نشانہ بنا رہے ہیں اس سے مکہ والوں کے اکثر گروہوں میں اختلاف پیدا ہو گیا۔ مزید برآں ان کو احساس جرم میں اس سے بھی اضافہ ہو گیا کہ وہ دستاویز جس پر معاہدہ مقاطعہ کی شرائط لکھی ہوئی تھیں اور وہ کعبہ کے اندر لٹکی ہوئی تھی اسے دیمک نے چاٹ لیا تھا صرف وہی حروف بچے رہے جن پر لکھا تھا کہ "اللہ کے نام سے" (مارٹن لنگز' محمد ہز لائف ص ۹۱)۔ قریش کے اکثر لوگوں نے اسے بدشگونی پر محمول کیا تو یہ واقعہ فیصلہ کن ثابت ہوا جس پر مقاطعہ ختم کر دیا گیا۔

قریش کے قائدین نے اب نبی اکرم ﷺ کو غیر مسلموں سے سمجھوتہ کر لینے کی ترغیب سے آزمانے کا تہیہ کر لیا اور بعض نے یہ مشورہ بھی دیا کہ سب لوگ دونوں ہی مذاہب کی پابندی کریں۔ یعنی دونوں مذاہب پر عمل کریں۔ نبی اکرم ﷺ کو اسے مسترد کرنے کی ضرورت ہی نہ پڑی۔ کیونکہ اس زمانے میں سورۃ الکفرون کی خوبصورت ترین سورت کا ان پر نزول ہو گیا جس میں کہا گیا کہ صداقت کے تمام امور میں کسی طرح کا سمجھوتہ ممکن نہیں۔

"کہہ دیجئے کہ اے وہ لوگ جو کفر کرتے ہو میں اس کی عبادت نہیں کروں گا' جس کی تم عبادت کرتے ہو اور نہ ہی تم اس کی عبادت کرنے والے ہو جس کی میں عبادت کرتا ہوں' اور نہ ہی میں اس کی عبادت کرنے والا ہوں' جس کی تم عبادت کرتے تھے اور نہ ہی تم اس کی عبادت کرنے والے ہو' جس کی میں عبادت کرتا ہوں۔ تمہیں تمہارا راستہ مبارک اور مجھے میرا راستہ" (۱۰۹:۱-۶)۔

اس مثبت جواب نے قریش میں جو خیر خواہی کی تحریک پیدا ہوئی تھی اسے خاصی حد تک کم کر دیا اور قریش نے پھر سے نبیؐ اور آپؐ کے اصحاب کو تکلیف دہی میں اضافہ کر دیا۔

حضرت نبی اکرم ﷺ کو پہلے سے بھی زیادہ برے سلوک کا مستحق سمجھا جانے لگا۔ ایک دفعہ ایک راہگیر آپؐ کے دروازے میں سے جھانک کر ان کے کھانے پکانے کی ہنڈیا میں فضلہ پھینک گیا۔ دوسری مرتبہ جب نبی اکرم ﷺ اپنے گھر کے دالان میں عبادت فرما رہے تھے تو ایک شخص نے حضورؐ پر بھیڑ کی سڑی ہوئی اوجڑی پھینکی جو خون اور گند سے لت پت تھی۔ اس طرح ایک دوسرے موقعہ پر جب نبیؐ کعبۃ اللہ سے واپس آ رہے تھے ایک شخص نے خاک اور دھول سے مٹھی بھری اور آپؐ کے چہرے پر دے ماری۔ وہ جب گھر تشریف لائے

تو آپؐ کی بیٹی نے اس کو روتے ہوئے دھو کر صاف کیا تو حضورؐ نے فرمایا "میری پیاری بیٹی آنسو نہ بہا اللہ تیرے باپ کی حفاظت کرے گا (ایضاً" ص ۹۸)۔ آپؐ کی یکسوئی، آپؐ کے ایمان کی پختگی، آپؐ کا زہد اور مقصد کی لگن سے بڑھ کر بھی کوئی اور ثبوت آپؐ کی نبوت کی صداقت کا درکار ہے؟

مکہ کے سنگدل لوگوں کی سنگدلی اور حالات کی نزاکت نے حضور ﷺ کو طائف کے لوگوں کی طرف متوجہ ہونے کا خیال سجھایا۔ وہ زیدؓ کو ہمراہ لے کر طائف کے قبائلی سرداروں کے پاس گئے کہ شاید وہ اسلام کو قبول کرلیں گے اور ان کے مخالفوں کے مقابل امداد کریں گے۔ لیکن ان سرداروں نے آپؐ کی بے عزتی کی اور جب حضورؐ رخصت ہونے لگے تو سرداروں نے اپنے غلاموں اور اھالی موالی کو اکسایا کہ وہ نبیؐ کی توہین کریں اور آوازے کسیں۔ نبیؐ کے پیچھے غنڈے اور گلیوں کے نابالغ بچوں کو لگا دیا کہ وہ حضور ﷺ پر سنگ باری کریں۔ اور جب کبھی نبی کریم ﷺ تھک کر کہیں آرام کے لئے بیٹھ جاتے تو وہ غنڈے انہیں وہاں سے اٹھا دیتے۔ یہاں تک کہ حضور ﷺ کے ہاتھ اور پاؤں لہولہان ہوگئے۔ حضورؐ نے زیدؓ سے کہا کہ میں ان لوگوں کا برا نہیں چاہ سکتا کہ ہو سکتا ہے ان کے بچوں کی اولاد ایمان لے آئے۔ تھکن اور درماندگی سے آپؐ نے راستے میں ایک باغیچہ میں پناہ لی اور نہایت سوز بھرے لفظوں میں اللہ تعالیٰ سے دعا فرمائی جو ایک نبی کے دل سے ہی ابھر سکتی ہے۔ جس کا براہ راست اپنے خالق سے تعلق ہوتا ہے۔ بے گھر، شکستہ حال، تھکن سے چور ہونے کے باوجود ان کا خدا تعالیٰ پر اتنا ایمان تھا اور اتنا یقین تھا کہ سر ولیم میور نے لکھا ہے:۔

"نفرت اور تحقیر آمیز رویے سے دھتکارے جانے کے بعد ایک تنہا فرد کی حیثیت میں محمدؐ کا سفر طائف اسی طرح کا دلیرانہ اور ارفع عمل کا عنصر لئے ہوئے ہے جس طرح یوناہ نبیؑ کو خدا کے حکم کے مطابق نینوا کی بستی میں جانے پر دکھائی دیتا ہے کہ وہ اس بستی کو جو بدکاری اور بت پرستی میں غرق ہو رہی تھی۔ اس کو توبہ کے لئے پکارے کہ وہ ان کی مدد کر سکیں یہ عمل تنہا اس پر بہت روشنی ڈالتا ہے کہ ان کو اپنے مشن کے خدائی حکم کے ماتحت ہونے کا کتنا یقین تھا۔ (دی لائف آف محمدؐ از سر ولیم میور ص ۹۲)

تیرہ طویل سال تک محمد ﷺ کو تحقیر و تذلیل کا جو سامنا کرنا پڑا اس میں کفار نے کوئی کسر اٹھا نہ رکھی وہ جس حد تک جا سکتے تھے چلے گئے۔ جب ان کی زندگی مکہ میں انتہائی دکھوں کا مرجع بن گئی تو حضورؐ اس بات پر مجبور ہوگئے کہ اپنی جائے پیدائش کو خیرباد کہہ کر مدینہ کی طرف ہجرت کر جائیں۔ اس کے باوجود مکہ والوں نے مدینہ میں بھی انہیں چین سے نہ رہنے دیا۔ بے شمار دفعہ مدینہ پر حملہ آور ہو کر مسلمانوں سے باقاعدہ لڑائیاں لڑیں جس میں حضورؐ کے لواحقین کو شہید کیا گیا۔ حبار بن اسود جو مسلمانوں کو شدید ترین اذیت دینے والوں میں سے تھا اس نے حضرت محمد ﷺ کی صاحبزادی حضرت زینبؓ کی پشت پر نیزے سے گھاؤ لگایا جس کے باعث موصوفہ جو حاملہ تھیں ان کا حمل ضائع ہوگیا اور وہ اس کے سبب شہید ہوگئیں۔ جنگ احد کا دن بھی مسلمانوں کے لئے حزن کا دن تھا۔ فتح کی امید پر مسلمان آپے سے باہر ہوگئے مکہ کے کافروں نے انسانیت کی تمام حدیں پھلانگ دیں اور وحشت و بربریت کے لئے برے اور ناپاک عمل نہ صرف زندہ لوگوں کے ساتھ روا رکھے گئے بلکہ ان مسلمانوں کو بھی اس کا ہدف بنایا گیا جو قتل ہو کر میدان میں پڑے تھے۔ ہندہ، ابو سفیان کی بیوی تھی اس نے حضرت حمزہؓ جو حضورؐ کے دودھ شریک بھائی اور چچا بھی تھے ان کے شہید جسم سے جگر نکال کر چبایا۔ اسی طرح شہیدوں کی لاشوں کو مثلہ گیا اور فتح کے انعام کے طور پر میدان جنگ سے مکہ کی طرف کھینچتے ہوئے لے جایا گیا۔

حضور نبی اکرم ﷺ کو بھی اس جنگ میں سر پر زخم آیا اور رخسار مبارک زخمی ہوگئے۔ جس سے بہت سا خون بہہ نکلا اور دندان مبارک بھی شہید ہوگئے لیکن اس اذیت ناک وقت میں بھی یہ نوٹ کرنے کی بات ہے کہ آپؐ اب بھی کسی کینہ اور نفرت کے احساس

سے خالی تھے۔ عبداللہؓ جو حضورؐ کے خون مبارک کو پونچھ رہے تھے ان سے روایت ہے کہ حضورؐ کہہ رہے تھے "میرے اللہ میرے لوگوں کو معاف فرمایں کیونکہ یہ جانتے نہیں کہ یہ کیا کر رہے ہیں۔"

امام نوویؒ جو صحیح مسلم کے ایک شارح ہیں حضورؐ کے الفاظ کی وضاحت میں لکھتے ہیں:۔

"ان الفاظ میں غیر محدود نرمی' رحمت اور وقار آمیز شریفانہ ہمدردی کا اظہار ہے جو نبیؐ کو اپنے لوگوں کے لئے تھی۔"

اس واقعہ نے اس بے نظیر شرافت کی تصدیق کر دی جو نبیؐ کی صورت میں خدا تعالیٰ نے لوگوں پر بحیثیت رحمت اور امن کے نازل فرمائی تھی جو اپنی بلند حوصلگی' ہمدردی' صبر اور عفو میں بے مثال تھی۔

اس طرح کی پر امن فتح مکہ ایک نہایت روشن مثال ہے اس بات کی کہ بلند حوصلگی اور عالی ظرفی کیا ہوتی ہے۔

تاریخ میں اس کی نظیر نہ پہلے کبھی ہو سکی تھی اور نہ کوئی بعد میں ہو سکی کہ کس طرح حضورؐ نے اپنے خون کے پیاسے دشمنوں کو جنہوں نے سال ہا سال تک حضورؐ کو نہ صرف ستایا تھا بلکہ انہیں پناہ والے مکان سے بھی بے دخل کرنے کی کوشش کی تھی اور دہشت گردی کا بازار مسلمانوں کے لئے بھی گرم کر رکھا تھا' عام معافی دے دی۔

ٹائین بی جیسے مشہور مورخ کے الفاظ ہیں:۔

"فتح کی خوشی کا عام طور پر ایسے بھی اظہار ہوتا ہے کہ فتح کے موقعہ پر فاتح فتح کے نشے میں چور ہو کر عیاشی' تباہی اور بے حرمتی کا عام اعلان کر دیتا ہے" (جنگ اور تہذیب از ٹائن بی ص ۱۰۴)۔ فاتح عام طور پر تکبر اور انتقام کے جذبات سے بھر جاتے ہیں۔ لیکن محمد صلی اللہ علیہ وسلم نے اس طرح کے جذبات کا کوئی مظاہرہ نہیں کیا۔ وہ فتح مکہ کے وقت مکہ میں سربلند کر کے داخل نہیں ہوئے اور نہ ہی ان کے دل میں یہ خواہش تھی کہ آج انتقام لیا جائے گا۔ ابن اسحاق کا بیان ہے کہ مکہ میں حضرت نبی اکرم ﷺ جب داخل ہوئے تو ان کا سر اس قدر جھکا ہوا تھا کہ اونٹ پر رکھی ہوئی گدی سے لگا جا رہا تھا۔ یہ تھا عجز و انکساری کا مظاہرہ جو حضورؐ نے اس روز لوگوں کے سامنے کیا۔ حضور نبی اکرم ﷺ اور آپؐ کے ہمراہیوں نے اس دن صرف اس بات کا مظاہرہ کیا کہ تمام کبریائی اور طاقت خدا تعالیٰ کو سزا وار ہے یعنی یہ ان لوگوں کی فتح نہ تھی بلکہ یہ خدا کے دین کی فتح تھی اور ایک بلند مشن کی تکمیل تھی۔ اپنی فتح مندی کے اس موقع پر ہر برائی' بے حرمتی' تذلیل' توہین جو نبیؐ اور آپؐ کے ساتھیوں کو مکہ میں قیام کے دوران اور اس سے ہجرت کرنے کے بعد بھی سہنی پڑیں تھیں بھلا دی گئیں اور عام معافی مکہ والوں کو دے دی گئی آپؐ نے فرمایا:۔

"آج میں وہی کہتا ہوں جس طرح حضرت یوسف علیہ السلام نے اپنے بھائیوں سے کہا تھا آج کے دن تم پر نہ کوئی ملامت ہے اور نہ کوئی الزام۔ تم امن میں جا سکتے ہو۔ تم آزاد ہو۔"

بقول اسٹینلے لین پول:۔ "وہ دن جس میں محمدؐ کو اپنے دشمنوں پر ایک فتح حاصل ہوئی تھی اسی دن محمدؐ نے ایک اور عظیم ترین فتح کا بھی مظاہرہ کیا جو کوئی اپنے آپ پر حاصل کرتا ہے۔ عکرمہ بن ابوجہل نے اسلام کی نفرت وراثت میں اپنے باپ سے پائی تھی۔ وہ سمجھوتہ نہ کرنے والا شخص ثابت ہوا۔ مکہ میں فتح پر وہاں سے بھاگ گیا۔ لیکن اس کے بعد وہ حضور نبی کریم ﷺ کے سامنے پیش کیا گیا۔ آپؐ نے اسے معاف کر دیا۔ جس سے وہ دائرہ اسلام میں داخل ہو گیا۔"

اس طرح حضورؐ نے وحشی کو بھی معاف کر دیا جس نے حضورؐ کے چچا حمزہؓ کو قتل کیا تھا اور ہندہ کے کہنے پر حمزہؓ کا سینہ چیر کر اس کا جگر چبانے کے لئے پیش کیا تھا اور ہندہ نے جگر کو چبایا بھی تھا۔ نبیؐ نے نہ صرف ہندہ کو معاف کر دیا بلکہ اسے اسلام میں قبول بھی کر لیا۔ اسی طرح کریمانہ رویہ حبار بن اسود کے بارے میں بھی حضورؐ نے اختیار فرمایا جس نے حضورؐ کی لاڈلی بیٹی زینبؓ کو زخم لگا کر شہید کیا تھا۔ اسے بھی معاف کر دیا گیا۔ نہ صرف یہی بلکہ اس کے اسلام لانے کو بھی قبول کر لیا گیا۔ یوں نبی اکرم ﷺ پر لگائے گئے تمام الزامات مٹ کر رہ گئے جو حضورؐ پر مسیحی لگاتے ہیں کہ حضورؐ ایک موقعہ پرست اور نعوذ باللہ جعلساز تھے۔ بوسورتھ سمتھ لکھتا ہے:۔

"اگر انہوں نے اپنے چہرے پر کوئی نقاب چڑھا رکھا تھا تو اب انہیں اس وقت ایسے حالات پیش آ چکے تھے کہ وہ نقاب کبھی کا اتر گیا ہوتا اور ان کے ادنیٰ مقاصد رفعت اور بلندی کو چاٹ چکے ہوتے یا ان کا اعتدال جیسے گبن فرض کرتا ہے اب ان کی خودغرضی میں متمثل ہو چکا ہوتا اور ہمیں اب اس کے نتائج ظاہر اور باہر دکھائی دینے لگے ہوتے۔ اب وہ موقعہ تھا جب وہ اپنی خواہشات نفس کی تسکین کر سکتے تھے۔ جب وہ ہوس کو پورا کر سکتے تھے یا انتقام لے کر تسلی کر سکتے تھے۔ ایسی ایک بھی بات نظر نہیں آتی۔ اب مکہ میں محمدؐ کے داخلے کی کیفیت پڑھیں اور اس کا موازنہ سلہ کے مارئس کے روم میں داخلہ سے کریں اور تقابل میں ان تمام شرمناک واقعات اور معاصر حالات کو بھی مدنظر رکھیں جو ان کے داخلہ سے قبل نظر آتے ہیں۔ اور طاقت کا استعمال جس طرح دونوں نے اپنی قوت کے اعادہ کی صورت میں کیا ہے۔ تب ہی کسی کو عرب کے پیغمبر کی اعتدال پسندی اور وقار کا صحیح انداز ہو سکے گا۔ نہ تو کوئی جلا وطنوں کی فہرست ہے نہ کوئی لوٹ مار ہے نہ ہی کوئی شوخی انتقام ہے۔" ایسے عظیم اور پروقار رویے سے حضرت محمد ﷺ نے تمام ایسے کریہہ ردعمل کے برپا ہونے کا امکان ہی ختم کر دیا جس کا ان کے مخالف سوچ بھی سکتے۔ بلکہ اس رویے سے ان کی روحوں کو متاثر کر کے بیدار کر دیا کہ وہ مسلمان ہو گئے یہی معجزہ نما رویہ تھا جس نے اس کے بعد اسلام کے خوفناک دشمنوں کو اسلام کے مجاہدوں میں بدل دیا جو عظیم سیرت کے حامل بھی ہوئے۔

ابن خلدون عظیم مورخ لکھتا ہے کہ انبیاء کے نشانوں میں سے ایک نشان جس سے نبیؑ کی پہچان ہو سکتی ہے یہ ہے کہ حیرت انگیز کام دکھانے میں ان سے معجزے سرزد ہوتے ہیں جو انکی تصدیق کرتے ہیں۔ وہ معجزے کی تعریف کرتا ہوا کہتا ہے کہ وہ ایسا فعل ہوتا ہے جس کی طرح کا فعل دوسرے انسانوں سے ممکن ہی نہیں ہو سکتا۔

روایات نے نبی اکرم ﷺ سے بے شمار معجزات بھی منسوب کئے ہیں مثلاً" شق القمر کا معجزہ' کھجور کے درخت کے رونے کا معجزہ' ان کی انگلیوں سے پانی بہہ نکلنے کا معجزہ' پتھروں اور درختوں کا ان کو سلام کہنے کا معجزہ۔ بہت سے انسانوں کو تھوڑی سی روٹی سے سیر کر دینے کا معجزہ اور دیگر اسی قسم کے بے شمار معجزات۔ اسی طرح قرآن شریف نے ان کے متعلق اکثر معجزات کا ذکر فرمایا ہے مثلاً" نبی کا آسمانوں پر جانے کا واقعہ' مکہ سے بیت الحرام سے ایک ہی رات میں مسجد اقصیٰ یعنی یروشلم تک جانے کا واقعہ' بدر کی لڑائی میں اللہ کے حکم سے زیادہ بڑے دشمن پر فتح پانے کا معجزہ۔ وحی سے ماضی اور مستقبل کے واقعات جو دوسروں کو معلوم نہ تھے ان کے بتا دینے کا معجزہ۔ رومیوں اور ایرانیوں کی لڑائی میں رومیوں کی فتح کی یقینی تاریخ اور مدت بتا دینے کا معجزہ' سوانح نگاروں نے ان معجزات کی تفصیل پر بحث کی ہے۔ لیکن کیا ہم کو ان معجزات کی واقعی ضرورت ہے جب ان کی اپنی خدمات اور اقوال ان کی نبوت کا واضح ثبوت ہیں۔ نبی اکرم ﷺ کا ہر عمل اور ان کی شخصیت کا ہر ہر پہلو بھی ایک معجزہ ہے۔ کسی اور بڑے شخص نے اپنے افکار اور اعمال کا زندگی کے ہر شعبہ میں اس قدر شاندار ریکارڈ نہیں چھوڑا۔ خواہ وہ دیانتداری اور قابل اعتماد کردار کے ضمن میں ہو یا نرم روی' فروتنی' صبر اور رواداری' جرات' حوصلہ' دوستوں کے لئے محبت اور گرم جوشی' دشمنوں کے لئے بردباری۔ غصہ ہونے والی صورت میں ضبط نفس' گفتگو میں راست بازی' فصاحت اور بلاغت کے ضمن میں ہو۔۔۔ ان تمام کیفیات میں ان کا کردار بے نظیر اور بے مثال ہے۔ ایسی جوہر دار صفات کا محمد رسول اللہ ﷺ میں اکٹھا ہو جانا اس کا زبردست ثبوت ہے کہ وہ خدا تعالیٰ کے چنے ہوئے تھے کہ ان سے ایک عظیم کام لینا مقصود تھا۔ جیسا کے فرانس کے ایک عظیم مورخ لمرٹین نے لکھا ہے :۔

"فلسفی' مقرر' فرستادہ' مقنن' مجاہد' افکار کا فاتح' عقلی عقائد کا مجدد' ایک ایسے مسلک کا بانی جس میں کوئی بت نہیں' بیسیوں زمینی مملکتوں کا بانی اور ایک عظیم روحانی سلطنت کا مالک یہ ہے محمدؐ۔ ان تمام معیاروں کے حوالے سے جن سے کسی کی عظمت جانچی جا سکتی ہو۔ ہم یہ پوچھنا چاہیں گے کہ کیا اس سے بھی کوئی اور عظیم شخص ہے"۔

واقعہ صلیب حقائق کی روشنی میں

آنسہ سارہ احمد

۲۱ تا ۲۷ جولائی ۱۹۹۶ء نوجوانوں کے لئے سالانہ تربیتی کورس کا انعقاد جامع دارالاسلام' لاہور میں ہوا۔ اس میں سیرت حضرت بانی سلسلہ احمدیہ' یہودیت' عیسائیت' ہندومت اور سکھ ازم کے تقابلی جائزہ کے بارے میں سلسلہ تقاریر ہوئیں۔ حضرت بانی سلسلہ کے قریب کے زمانہ کے اہل اللہ کی پیشگوئیاں اور نشانیوں کا ذکر ہوا اور پھر نوجوانوں کو اسلامی اخلاق کے بارے میں خاص توجہ دلائی گئی۔ تقاریر کا انعامی مقابلہ اور ذہنی آزمائش کے مقابلے بھی ہوئے۔ سینئر اور جونیئر گروپ میں اول' دوم اور سوم آنے والوں کو انعامات دیئے گئے۔ تقاریر کے انعامی مقابلہ میں آنسہ سارہ احمد اور طیب انوار احمد کی تقاریر کو بے حد پسند کیا گیا۔ آنسہ سارہ احمد کی تقریر شائع کی جارہی ہے۔—— ادارہ

حضرت بانی سلسلہ احمدیہ نے اپنی ابتدائی ایک کتاب "ازالہ اوہام" میں وفات مسیح کے بارے میں بائبل' قرآن مجید اور احادیث کے حوالے سے بڑے مدلل اور موثر انداز میں یہ موقف پیش کیا کہ حضرت مسیح صلیب کی لعنتی موت سے بچالئے گئے تھے اور انہوں نے دوسرے انبیاء کی طرح طبعی وفات پائی۔ بانی سلسلہ احمدیہ کے نزدیک حضرت مسیح کو صلیب کی لعنتی موت مارنا اور پھر اس کی بنیاد پر ان کو انسان کے گناہوں سے نجات کا ذریعہ بنانا شرک کی بدترین صورت ہے۔ قرآن مجید شرک کو ظلم عظیم قرار دیتا ہے (لقمن ۳۱:۱۳)۔

قرآن مجید نے شرک کو نہ صرف بھاری گناہ قرار دیا ہے بلکہ یہ تنبیہہ بھی کی ہے کہ دوسرے گناہ تو معاف کئے جاسکتے ہیں لیکن شرک معاف نہیں کیا جائے گا۔ قرآن مجید کے الفاظ ملاحظہ فرمائیں:

"اللہ نہیں بخشتا کہ اس کے ساتھ شریک بنایا جائے اور جو اس کے علاوہ ہے وہ جسے چاہتا ہے بخش دیتا ہے اور جو شخص اللہ کے ساتھ شریک کرتا ہے وہ ایک بھاری گناہ افترا کرتا ہے" (النساء ۴:۴۸)۔

عیسائیوں کا حضرت مسیح کو خدا کا بیٹا بنانے کے عقیدہ کے متعلق تو قرآن مجید نے سخت ڈرانے والے الفاظ استعمال کئے ہیں:

"اور کہتے ہیں رحمٰن نے بیٹا بنایا۔ یقیناً تم ایک خطرناک بات کر گزرے' قریب ہے کہ آسمان اس سے پھٹ پڑیں اور زمین شق ہو جائے اور پہاڑ ریزہ ریزہ ہو جائیں کہ وہ رحمٰن کے لئے بیٹے کا دعویٰ کرتے ہیں اور رحمٰن کو تو شایاں نہیں کہ وہ بیٹا بنائے" (مریم ۱۹:۸۸-۹۲)۔

بانی سلسلہ احمدیہ کی بعثت کا سب سے بڑا مقصد بھی تثلیث کے باطل عقیدہ کی تردید تھا چنانچہ بانی سلسلہ احمدیہ نے اپنی اسی (۸۰) کتب اور ذاتی روحانی مشاہدات کے ذریعہ قرآن مجید کے نظریہ وحدت کی حقانیت کی بڑے شد و مد سے تبلیغ و اشاعت کی۔ آپ کی زندگی کی آخری تقریر جو آپ نے اپنی وفات سے ایک روز قبل یعنی ۲۵ مئی ۱۹۰۸ء نماز عصر کے بعد فرمائی۔ اس کے آخری الفاظ بھی آپ کی زندگی کے اس سب سے اہم مقصد کی نشاندہی کرتے ہیں:

"تم عیسیٰؑ کو مرنے دو کہ اس میں اسلام کی حیات ہے" (مجدد اعظم جلد دوم ص ۱۲۰۵)۔

حضرت بانی سلسلہ احمدیہ نے اس سب سے بڑے اور خطرناک شرک کے خلاف علم جہاد بلند کیا اور بائبل' قرآن مجید' احادیث' تاریخ اور آثار قدیمہ سے ثابت کیا کہ حضرت مسیح صلیب پر فوت نہیں ہوئے بلکہ اللہ تعالیٰ نے ایسے اسباب پیدا کر دیئے کہ وہ اس لعنتی

موت سے بچ نکلے اور نصیبین پہنچے پھر وہاں سے عراق اور افغانستان کے راستہ پنجاب سے ہوتے ہوئے "اپنی کھوئی ہوئی بھیڑوں کی تلاش میں" کشمیر پہنچے۔ جہاں انہوں نے ۱۲۰ سال کی عمر تک تبلیغ و اشاعت کا کام کیا اور وہیں وفات پائی۔ ان کی قبر محلہ خانیار' سرینگر میں موجود ہے۔

حضرت مسیح کی صلیب پر وفات اور پھر تیسرے دن جی اٹھنے اور آسمان کی طرف جانے کا عقیدہ ہی عیسائیت کی بنیاد ہے اور اس طرح مذہبی دنیا کے اس سب سے بڑے شرک یعنی خدا کا بیٹا بنانے کے عقیدہ نے جنم لیا۔ حضرت بانی سلسلہ احمدیہ نے اس غلط عقیدہ کو سب سے پہلے اپنی کتاب "ازالہ اوہام" میں قرآن مجید کی تیس آیات کی روشنی میں غلط ثابت کیا جس سے عیسائیت کی بنیاد ہی ختم ہو گئی۔ اس سلسلہ میں موجودہ عیسائیت کے بانی پولوس کے بائبل میں یہ الفاظ ہماری خاص توجہ کے مستحق ہیں۔ "اگر مسیح کو آسمان پر نہ اٹھایا گیا تو ہماری ساری تعلیم بے معنی ہے اور ہمارا ایمان بے بنیاد ہے۔" اس مختصر وقت میں ہم صرف قرآن مجید کی سورت النساء کی آیت ۱۵۷ کو لیتے ہیں جس نے اس عقیدہ کے تمام پہلوؤں کی بھرپور انداز میں تردید کر دی ہے۔

"اور ان کے یہ کہنے کی وجہ سے کہ ہم نے مسیح عیسیٰ ابن مریم اللہ کے رسول کو قتل کر دیا اور انہوں نے نہ اسے قتل کیا اور نہ اسے صلیب پر مارا مگر وہ ان کے لئے اس جیسا بنا دیا گیا اور بے شک وہ لوگ جنہوں نے اس کے متعلق اختلاف کیا اس بارے میں شک میں ہیں ان کو اس کا کچھ علم نہیں صرف گمان کے پیچھے چلتے ہیں اور انہوں نے اس کو یقینی طور پر قتل نہیں کیا۔"

اب اس آیت میں دو باتوں کا بڑی وضاحت سے ذکر ہے ایک یہ کہ حضرت مسیح کو یقینی طور پر صلیب پر قتل نہیں کیا گیا اور دوسرے یہ کہ جو لوگ ایسا یقین کرتے ہیں وہ یقیناً شک میں ہیں اور ایک گمان کا پیچھا کر رہے ہیں۔

چونکہ عیسائیت کی بنیاد اس بات پر ہے کہ حضرت مسیح صلیب پر فوت ہو گئے تھے اور تیسرے دن جی اٹھے اور آسمان پر چلے گئے۔ اس لئے ہم واقعہ صلیب کو ہی لیتے ہیں اور دیکھتے ہیں کہ کہاں تک بائبل سے یہ ثابت ہوتا ہے کہ حضرت مسیح صلیب پر فوت نہیں ہوئے بلکہ وہ صلیب کی لعنتی موت سے بچ نکلے۔ پہلے گلیلی گئے اور پھر دوسری جگہوں پر اپنے حواریوں سے ملے اور ان کو یقین دلانے کی کوشش کی کہ میں صلیب کی موت سے بچ گیا ہوں۔

وفات مسیح کے سلسلہ میں یہ جاننا ضروری ہے کہ یہودی مجرم کو صلیب کس طرح دیتے تھے۔ صلیب T شکل کی لکڑی ہوتی تھی جس پر مجرم کے ہاتھوں اور پاؤں میں میخ ٹھوک کر لٹکا دیا جاتا تھا۔ مصلوب کئی دن تک بھوک اور پیاس کی صعوبتیں برداشت کرتا اور بالآخر طاقت زائل ہونے کی وجہ سے آہستہ آہستہ موت کا شکار ہو جاتا۔ موت کو جلد لانے کے لئے مجرموں کی ٹانگوں کو بھی توڑ دیا جاتا تھا تاکہ ٹانگوں کا سہارا ختم ہو جانے سے سارا جسم لٹک جائے اور موت جلد واقع ہو جائے۔

اب ہم مختصراً بائبل سے ان حالات کا جائزہ لیتے ہیں جو صلیب پر حضرت مسیحؑ کو پیش آئے۔

۱۔ حضرت مسیحؑ صلیب پر صرف چھ گھنٹے رہے (مرقس ۲۵:۱۵)۔

۲۔ ایک دوسری روایت کے مطابق تین گھنٹے سے بھی کم رہے (یوحنا ۱۴:۱۹)۔

۳۔ حضرت مسیح کے ساتھ جن دو چوروں کو صلیب دیا گیا تھا ان کی ٹانگیں توڑ دی گئیں لیکن حضرت مسیحؑ کی ٹانگیں نہیں توڑی گئیں۔ اس لئے کہ جب سپاہی ان کی ٹانگیں توڑنے کے لئے آئے تو انہوں نے محسوس کیا کہ حضرت مسیحؑ تو فوت ہو چکے ہیں (یوحنا ۳۳:۱۹)۔

۴۔ پھر جب حضرت مسیحؑ کے ایک بااثر اور امیر شاگرد یوسف آرمیتھیا نے پلاطوس سے حضرت مسیح کی لاش مانگی تو اس نے ان کی اتنی جلدی موت پر تعجب کا اظہار کیا چنانچہ مرقس ۴۲:۱۵ تا ۴۴ میں

درج ہے: "جب شام ہو گئی تو اس لئے تیاری کا دن تھا جو سبت سے ایک دن پہلے ہوتا ہے۔ آرمیتیہ کا رہنے والا یوسف آیا جو عزت دار مشیر اور خود بھی خدا کی بادشاہی کا منتظر تھا۔ اس نے جرات سے پلاطوس کے پاس جاکر یسوع کی لاش مانگی اور پلاطوس نے تعجب کیا کہ وہ ایسا جلد مرگیا۔ اور صوبے دار کو بلا کر اس سے پوچھا کہ اس کو مرے ہوئے دیر ہو گئی ہے۔ جب صوبے دار نے حال معلوم کر لیا تو لاش یوسف کو دے دی۔"

۵۔ حضرت مسیح کی موت کا یقین کرنے کی خاطر جب سپاہی نے ان کی پسلی میں نیزہ مارا تو اس میں سے پانی اور خون نکلا جو زندگی کی صریح علامت ہے (یوحنا ۱۹:۲۳-۲۵)۔

۶۔ واقعہ صلیب کے بعد سخت اندھیرا چھاگیا اور بھونچال آیا جس کی وجہ سے لوگ گھبرا کر بھاگ گئے۔

"پھر دوپہر کے قریب سے تیسرے پہر تک ملک میں اندھیرا چھایا رہا اور سورج کی روشنی جاتی رہی (مرقس ۱۵:۳۳' لوقا ۲۳:۴۴'۴۵)۔

اور زمین لرزی اور چٹانیں تڑک گئیں۔ پس صوبے دار جو اس کے ساتھ یسوع کی نگرانی کرتے تھے بھونچال اور تمام ماجرا دیکھ کر بہت ڈر کر کہنے لگے کہ بے شک یہ خدا کا بیٹا ہے" (متی ۲۷:۵۱ تا ۵۵)۔

۶۔ حضرت مسیحؑ کو عام قبرستان میں دفن نہ کیا گیا بلکہ ایک کھلی قبر میں جو خاص طور پر ایک چٹان میں کھودی گئی تھی اور ہوادار تھی اس میں رکھا گیا اور قبر کے منہ کو مکمل بند نہ کیا گیا بلکہ اس کے منہ پر ایک پتھر لڑکا دیا گیا۔ اس نئی طرز کی قبر کا ذکر بائبل میں یوں ہے "ایک نئی قبر جس میں کبھی کوئی نہ رکھا گیا" (یوحنا ۱۹:۴۲)۔

۷۔ صلیب پر سے اتارنے کے بعد ان کے جسم پر مختلف قسم کی چیزیں ملی گئیں جو زخم کے ٹھیک ہونے کے لئے استعمال ہوتی تھیں۔ چیزوں کا یہ مرکب بعد میں مریم عیسیٰ کے نام سے طب کی معروف اور مستند کتابوں میں درج ہے جو مدت تک زخموں کو ٹھیک کرنے کے لئے استعمال ہوتا رہا۔

"اور یعقوب کی ماں مریم اور سلومی نے خوشبودار چیزیں مول لیں تاکہ اس پر ملیں" (مرقس ۱۶:۱'۲' لوقا ۲۳:۵۶)۔ پچاس سیر کے قریب مرا اور عود ملا ہوا دیا" (یوحنا ۱۹:۴۰)۔

۸۔ حضرت مسیح صلیب کی موت سے بچ نکلنے کے بعد اپنے حواریوں سے گلیلی میں ملے (مرقس ۱۶:۷'۸)۔

"دیکھو میں ہی ہوں' مجھے چھو کر دیکھو کیونکہ روح کے گوشت اور ہڈی نہیں ہوتی جیسی مجھ میں دیکھتے ہو" (لوقا ۲۴:۳۸-۴۰)۔

"پھر اس نے توقا سے کہا اپنی انگلی پاس لاکر میرے ہاتھوں کو دیکھ اور اپنا ہاتھ پاس لاکر میری پسلی میں ڈال اور بے اعتقاد نہ ہو بلکہ اعتقاد رکھ" (یوحنا ۲۰:۲۷'۲۸)۔

اب سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ اگر حضرت مسیح صلیب کی موت سے بچ نکلے اور پھر اپنے حواریوں سے بھی ملے تو پھر کیا اس کے بعد آسمان پر چلے گئے؟ یا خفیہ طور پر کسی اور طرف ہجرت کر گئے۔ اس الجھن سے نکلنے میں قرآن مجید کی ذیل کی آیت میں واضح اشارے ملتے ہیں۔

"اور ہم نے ابن مریم اور اس کی ماں کو ایک نشان بنایا اور ان دونوں کو ایک بلند جگہ پر پناہ دی جو ہموار اور چشموں والی تھی" (المومنون ۲۳:۵۰)۔

یہاں میں چاہوں گی کہ میں اس آیت پر اس دور کے عظیم مفسر حضرت مولانا محمد علی صاحب کا نوٹ پیش کروں جنہوں نے اس مشکل عقدہ کا حل پیش کیا ہے کہ حضرت مسیح صلیب پر موت سے بچ نکلنے کے بعد کہاں گئے:

"حضرت عیسیٰ کو پناہ کہاں ملی؟ یہ جگہ کون سی تھی جہاں ابن مریم اور ان کی والدہ کو پناہ ملی۔ مفسرین کا اس میں بہت اختلاف ہے کوئی اسے فلسطین قرار دیتا ہے کوئی بیت المقدس کوئی دمشق اور کوئی مصر۔ مگر سب سے پہلا سوال یہ ہے کہ قرآن شریف کے لفظ ربوہ' ذات قرار' ذات معین ان میں سے کسی پر بھی صادق نہیں آتے۔

ربوہ چاہتا ہے کہ بلند زمین ہو۔ ذات قرار چاہتا ہے کہ ہموار ہو پہاڑ نہ ہو۔ یا بہت پھلوں والی ہو۔ ذات معین چاہتا ہے کہ اس میں سطح زمین پر چشمے اور نہریں بہہ رہی ہوں۔ ان تمام صفات میں اگر کوئی یکجا قطعہ زمین ہے تو وہ کشمیر ہے اور فلسطین اور بیت المقدس اور مصر تو بہرحال نہیں (بیان القرآن' نوٹ ۱۷۴۲ ص ۹۴۵)۔

اس سلسلہ میں حضرت بانی سلسلہ احمدیہ کی تحقیقی کتاب "مسیح ہندوستان میں" بنیادی اور انقلابی حیثیت رکھتی ہے۔ اس تحقیق کو حضرت خواجہ کمال الدین کے بڑے فرزند محترم خواجہ نذیر احمد صاحب نے آگے بڑھایا اور بے حد محنت اور روپیہ خرچ کر کے اس سلسلہ میں تمام حقائق اور شواہد کو اپنی مایہ ناز کتاب "جیسس ان ہون آن ارتھ" یعنی حضرت مسیح جنت عرضی پر' میں شائع کیں۔ اس موضوع پر لکھنے والا ہر مغربی مصنف اس کتاب کو خراج تحسین پیش کرتا ہے۔ اس موضوع پر ایک ہسپانوی صحافی فیبر قیصر کی کتاب "جیسس ڈائڈ ان کشمیر" یعنی حضرت مسیح کشمیر میں فوت ہوئے' بھی بے حد مقبول ہوئی۔ اس کتاب کا اردو میں ترجمہ محترم ناصر احمد صاحب نے کیا جو "حضرت مسیح کشمیر میں فوت ہوئے" کے نام سے بمبئی' انڈیا سے شائع ہو چکی ہے۔

وفات مسیح کے سلسلہ میں مقدس کفن پر تحقیق اور اس کی تصاویر نے مزید شواہد فراہم کر دیئے ہیں۔ یہ کفن وہ ہے جس میں حضرت مسیح کو صلیب پر سے اتارنے کے بعد لپیٹا گیا تھا۔ اس کفن کی تصاویر اور اس پر خون کے دھبے اس تفصیل کے عین مطابق ہیں جن کا ذکر ہمیں بائبل میں ملتا ہے۔ ۱۹۳۱ء میں اس کفن پر جرمن ماہرین نے ۸ سال تک تحقیق کرنے کے بعد اپنی رپورٹ تیار کی اور اسے پوپ کو بھی ارسال کیا۔ گو پوپ کے ذرائع نے اس سلسلہ میں مکمل خاموشی اختیار کی لیکن ۱۹۵۷ء میں سویڈن کے ایک اخبار نے اس کی تفصیلات شائع کر دیں۔ اس رپورٹ میں یہ کہا گیا تھا کہ حضرت مسیح کو جب اس کفن میں لپیٹا گیا تھا تو ان کے دل نے کام کرنا بند نہیں کیا تھا یعنی وہ زندہ تھے۔ پھر اس تفصیل کو تصاویر کے ساتھ اسی جرمن تحقیقی ادارہ کے سربراہ کرٹ برنا نے "مسیح صلیب پر فوت نہیں ہوئے" کے نام سے شائع کر دی جس نے عیسائی دنیا میں تہلکہ مچا دیا۔ گذشتہ سال ٹائم میگزین امریکہ نے ایک خصوصی فیچر "دی میجک آف میریکلز یعنی معجزات کا جادو' کے عنوان سے شائع کیا۔ اس مضمون میں عیسائیوں کے ایک گروہ نے تحقیق کے بعد حضرت مسیحؑ کے ان تمام معجزات سے انکار کر دیا اور اس امر پر بھی شک کا اظہار کیا کہ وہ صلیب پر فوت ہو گئے تھے اور پھر آسمان پر اٹھا لئے گئے۔ مختصر یہ کہ تاریخی شواہد اور جدید تحقیق سے یہ بات اب دن بدن زیادہ واضح اور حقیقت بنتی جا رہی ہے کہ حضرت مسیح صلیب کی لعنتی موت سے بچ کر عراق' افغانستان سے ہوتے ہوئے کشمیر آئے اور اس طرح تثلیث کا عقیدہ جو پولوس نے بعد میں گھڑا اس کی اصل حقیقت اب دنیا کے سامنے آ رہی ہے۔

میں اپنی اس تقریر کو حضرت بانی سلسلہ احمدیہ کے اس شعر پر ختم کرتی ہوں۔

غیرت کی جا ہے عیسیٰؑ زندہ ہو آسمان پر
مدفون ہو زمین میں شاہ جہاں ہمارا

اخبار کا تراشہ

(ماہنامہ "حکمت قرآن" مکتبہ انجمن خدام القرآن' ۲۰۶ ماڈل ٹاؤن' لاہور نے اپنے شمارہ مارچ - اپریل ۱۹۸۶ء میں صفحات ۵ تا ۱۹ پر مولانا محمد سعید الرحمٰن علوی صاحب کا "تزکیہ" پر ایک نہایت عمدہ مضمون شائع کیا ہے۔ انہوں نے لفظ "زکی" پر "ایک مفسر" کے حوالہ سے بھی روشنی ڈالی ہے۔ ہماری تحقیق کے مطابق یہ "مفسر" حضرت مولانا محمد علی صاحب ہیں۔ لفظ زکی پر جو تشریح درج کی گئی ہے۔ وہ حضرت مولانا کے بیان القرآن کے نوٹ نمبر ۱۶۴ صفحہ ۷۸ سے ماخوذ ہے۔ مضمون کا اقتباس قارئین کی دلچسپی کے لئے ذیل میں درج کیا جا رہا ہے۔ ادارہ)

تزکیہ

ربنا وابعث فیھم رسولاً منھم یتلوا علیھم آیاتک و یعلمھم الکتاب و الحکمتہ و یزکیھم انک انت العزیز الحکیم

یہ آیت کریمہ سورہ بقرہ کی ہے۔ اس کا نمبر ۱۲۹ ہے۔ جناب خلیل اللہ علیہ السلام نے جب اپنے فرزند ذبیح اللہ علیہ السلام کی معیت و رفاقت میں کعبتہ اللہ کی تعمیر کی تو اس وقت اپنے رب کے حضور کچھ دعائیں کیں۔ جن میں سے ایک دعا کا ذکر اس آیت میں ہے۔ جس کا ترجمہ مولانا ابوالکلام آزاد رحمتہ اللہ تعالیٰ نے یہ کیا کہ ----

"اور خدایا (اپنے فضل و کرم سے) ایسا کیجیو کہ اس بستی کے بسنے والوں میں تیرا ایک رسول پیدا ہو' وہ تیری آیتیں پڑھ کر لوگوں کو سنائے' کتاب اور حکمت کی تعلیم دے اور (اپنی پیغمبرانہ تربیت سے) ان کے دلوں کو مانجھ دے' اے پروردگار' بلاشبہ تیری ہی ذات ہے جو حکمت والی اور سب پر غالب ہے!"

اللہ تعالیٰ نے ان کی سبھی دعاؤں کو قبول کیا اور یہ دعا جس میں ایک عظیم المرتبت رسول کی بعثت کی درخواست تھی اسے محمد رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ و آلہ و اصحابہ وسلم کی بعثت کی شکل میں قبول فرمایا۔ خالد بن معدان رحمتہ اللہ تعالیٰ سے روایت ہے:

ان نفرا من اصحاب رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم قالوا لہ یا رسول اللہ اخبرنا عن نفسک؟ قالوا نعم! انا دعوۃ ابی ابراہیم و بشری عیسٰی (القرطبی صفحہ ۱۳۱ - ج ۲)

(ترجمہ) "صحابہ کرام میں سے کچھ حضرات نے درخواست کی کہ ہمیں اپنے متعلق کچھ بتلایئے؟ تو آپؐ نے فرمایا: ہاں! میں اپنے باپ ابراہیم علیہ السلام کی دعا اور اپنے بھائی عیسیٰ علیہ السلام کی بشارت ہوں۔"

ایک روایت میں اس کے بعد ایک لفظ اور بھی ہے کہ "و رؤیا امی" (اور میں اپنی والدہ محترمہ کا خواب ہوں۔)

اور خود قرآن عزیز نے تین مقامات پر حضور اقدس علیہ السلام کی بعثت کا ذکر کیا تو ٹھیک ٹھیک اسی انداز سے اور جن خصائل کے مالک نبی کی درخواست سیدنا خلیل اللہ نے کی تھی' انہی کا ذکر کر کے بعثت رسول سے خلق خدا کو آگاہ کیا۔ ایک آیت سورہ بقرہ ہی میں ہے جس کا نمبر ۱۵۱ ہے دوسری آل عمران میں ہے جس کا نمبر ۱۶۴ ہے اور تیسری الجمعہ میں ہے۔ جس کا نمبر ۲ ہے۔ اس کے الفاظ ہیں۔

ھو الذی بعث فی الامیین رسولا منھم یتلوا علیھم آیاتہ ویزکیھم و یعلمھم الکتاب والحکمۃ (الایہ)

کہ وہی ہے جس نے ان پڑھوں میں ایک رسول انہی میں سے مبعوث فرمایا' جو ان پر اس کی آیتیں پڑھتا ہے اور انہیں پاک کرتا ہے اور انہیں کتاب و حکمت سکھاتا ہے۔ (ترجمہ مولانا احمد علی لاہوریؒ)

اس میں ایک لفظ "یزکیھم" آیا ہے' ہماری گفتگو اس وقت اسی کے حوالہ سے ہو گی لیکن اس سے قبل "القرطبی" نے ان چار چیزوں سے متعلق جو لکھا اسے ملاحظہ فرمالیں:

ان الایات تلاوۃ ظاہر الالفاظ' والکتاب معانی الالفاظ و الحکمۃ الحکم و ھو مراد اللہ بالخطاب من مطلق و مقید و مفسر و مجمل و عموم و خصوص.....الخ (صفحہ ۱۳۱' ج ۲)

(ترجمہ) آیات کی تلاوت سے مراد قرآن عزیز کے ظاہری الفاظ

کی تلاوت ہے۔ تعلیم کتاب کا مقصد الفاظ کے معانی کو سکھلانا ہے اور "الحکمۃ" سے مراد "الحکم" ہے یعنی خطاب میں اللہ تعالیٰ کی مراد کو اس طرح ظاہر کرنا کہ معلوم ہو جائے کہ وہ مطلق ہے یا مقید' مفسر ہے یا مجمل' عام ہے یا خاص ــــــ الخ

مناسب معلوم ہوتا ہے کہ "الحکمۃ" سے متعلق یہاں "مبادی تدبر قرآن" کے حوالہ سے کچھ گذارشات پیش کردی جائیں۔

"حکمت کوئی خارجی چیز نہیں بلکہ قرآن کا حصہ ہے' اس کی ایک دلیل تو یہ ہے کہ "حکمت کے لئے بھی قرآن میں "یتلی" "انزل" اور "اوحی" جیسے الفاظ آئے ہیں دوسری دلیل یہ ہے کہ قرآن کو "قرآن حکیم" کہا گیا (القمر: ۵ و یس: ۲) وغیرھا من الدلائل ــــ لغت میں "حکمت" سے مراد وہ قوت ہوتی ہے جو صحیح فیصلہ کا سرچشمہ ہو۔ جیسے قرآن میں حضرت داؤد علیہ السلام کے لئے ہے۔ اتیناہ الحکمۃ و فصل الخطاب" (ص: ۲۰) یعنی "ہم نے اسے حکمت دی اور فیصلہ کن بات کرنے کی لیاقت۔" ــــ اہل عرب اس لفظ کو اس قوت کے لئے استعمال کرتے تھے جو عقل و کی لیاقت" ــــ اہل عرب اس لفظ کو اس قوت کے لئے استعمال کرتے تھے جو عقل و رائے کی پختگی اور شرافت اخلاق دونوں کی جامع ہو اور عاقل و مہذب آدمی کو حکیم کہتے ہیں۔ نیز حکمت سے مراد "فصل خطاب" بھی ہے۔ جس سے مقصود ایسی پکی بات ہے جو عقل اور دل دونوں کے نزدیک واضح ہو...... اللہ تعالیٰ نے اس لفظ کو اس کے اعلیٰ ترین مفہوم کے لئے استعمال کیا یعنی وحی کے لئے' وحی کو جس طرح نور' برہان' ذکر' رحمت وغیرہ الفاظ سے تعبیر کیا اسی طرح لفظ "حکمت" سے بھی تعبیر کیا اور اسی پہلو سے قرآن مجید کا نام "حکیم" رکھا۔

اس سے معلوم ہوتا ہے کہ حکمت' کلام اور متکلم دونوں میں پائی جاتی ہے' اس کی حقیقت وہ استحکام اور پختگی ہے جو دانشمندی پر مبنی ہو' جس طرح آگ حرارت سے معلوم کی جاتی ہے۔ اسی طرح حکمت اپنے اثرات سے پہچانی جاتی ہے۔ جب یہ کسی شخص کے اندر پیدا ہو جاتی ہے تو اس کے اندر حق شناسی کا ایک ملکہ پیدا ہو جاتا ہے' اس کی زبان سے جو بات نکلتی ہے حق نکلتی ہے اور اس سے جو فعل صادر ہوتا ہے ٹھیک صادر ہوتا ہے۔ قرآن مجید میں "لقمان" حکیم کے قصہ میں اور حدیث میں بھی اس کے اثرات بیان کئے گئے ہیں۔ یہی چیز اللہ تعالیٰ کی آنکھ اور اس کا ہاتھ ہے جس کا حدیث میں ذکر ہوا...... الخ

(صفحہ ۹۹ تا ۱۰۵ خلاصہ)

اب آئیں "یزکیھم" کی طرف' تو "قرطبی" ہی رقم طراز ہیں کہ اے یطھرھم من رضر الشرک یعنی وسخ الشرک (شرک کی گندگی و آلودگی سے انہیں پاک کرتا ہے) ا والزکاتہ تطھیر اور ایک دوسری جگہ لکھتے ہیں:

الذکوۃ ماخوذۃ من زکاالشی اذانما و زاد۔۔ (جب کسی چیز میں نمو ہو اور وہ بڑھ جائے اور اس میں اضافہ ہو جائے) (تفسیر عثمانی صفحہ ۹۲)۔ اور فرماتے ہیں "رجل زکی" "زائد الخیر" انسان کو کہا جاتا ہے۔ القرطبی صفحہ ۳۴۳ ج ۲)

مولانا شبیر احمد عثمانی' تزکیہ سے مطلق فرماتے ہیں۔ "نفسانی آلائشوں اور تمام مراتب شرک و معصیت سے ان کو پاک کرنا اور دلوں کو مانجھ کر صیقل بنانا۔ (تفسیر عثمانی صفحہ ۹۲)

ایک مفسر نے لکھا ہے:

"زکا" کھیتی پر بولا جاتا ہے جب اس میں نمو اور برکت حاصل ہو اور "تزکیہ" نفس کو خیرات و برکات سے بڑھانا ہے۔ یہ بھی یاد رہے کہ فعل تزکیہ کبھی تو بندے کی طرف منسوب ہوتا ہے کہ وہ اس کے لئے اکتساب کرتا ہے جیسے سورہ الشمس کی آیت نمبر۹ میں ہے قد افلح من زکھا (بیشک وہ کامیاب ہوا جو پاک ہو گیا)۔ اور کبھی اس کی نسبت اللہ کی طرف ہوتی ہے کہ حقیقت میں "مزکی" وہی ہے۔ سورہ نور کی آیت نمبر۲۱ کا ایک ٹکڑا ہے: ولکن اللہ یزکی من یشاء (اور لیکن اللہ جسے چاہتا ہے پاک کر دیتا ہے) اور کبھی یہ لفظ نبی کی طرف منسوب ہوتا ہے۔ اس لئے کہ وہ واسطہ ہوتا ہے یعنی اس کی باتوں اور اس کے نمونہ سے تزکیہ حاصل ہوتا ہے جیسے حضور علیہ السلام سے متعلق دعا اور جواب دعا پر مشتمل آیات میں لفظ تزکیہ استعمال ہوا۔"

(تفسیر بیان القرآن از حضرت مولانا محمد علی نوٹ نمبر ۱۹۴' صفحہ ۷۹)